نضر الله امرأ سمع منا حديثًا فحفظه حتى يبلغه

بسم الله الرحمن الرحیم
اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ

الحدیث

حضرو

ذوالقعدہ ۱۴۳۱ھ نومبر ۲۰۱۰ء

مدیر:
حافظ زبیر علی زئی

- جنازہ گاہ اور مسجد میں نمازِ جنازہ
- ہاں! مقلدینِ دیوبند کا عمل خلفائے راشدین کے مخالف ہے
- امام مالک اور نماز میں فرض، سنت و نفل کا مسئلہ
- کلید التحقیق: فضائلِ ابی حنیفہ کی بعض کتابوں پر تحقیقی نظر
- عباس رضوی صاحب کہاں ہیں؟ جواب دیں!

مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک: پاکستان

فقہ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

تجدیدِ دین

۲۴۶) وعن أبي هريرة رواية : ((يوشك أن يضرب الناس أكباد الأبل يطلبون العلم فلا يجدون أحدًا أعلم من عالم المدينة .)) رواه الترمذي في جامعه . قال ابن عيينة :إنه مالك بن أنس و مثله عن عبدالرزاق .
قال إسحاق بن موسى : و سمعت ابن عيينة أنه قال :هو العُمَرِيُّ الزاهد و اسمه عبدالعزيز بن عبدالله .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے (کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) قریب ہے کہ لوگ طلبِ علم کے لئے اونٹوں پر لمبے لمبے سفر کریں گے تو مدینے کے عالم سے بڑا عالم کوئی نہیں پائیں گے۔اسے ترمذی (۲۶۸۰) نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔

(سفیان) بن عیینہ نے (ایک قول میں) کہا: بے شک وہ مالک بن انس ہیں اور عبدالرزاق نے (بھی) اسی طرح کی بات کی ہے۔اسحاق بن موسیٰ نے کہا: اور میں نے ابن عیینہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ عبدالعزیز بن عبداللہ العمری الزاہد ہیں۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں ابن جریج اور ابوالزبیر دونوں مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔الانتقاء لابن عبدالبر (ص۲۰) میں اس کا ایک منقطع (یعنی ضعیف) شاہد بھی ہے۔

فائدہ: جب یہ روایت ضعیف ہے تو پھر یہ کہنا کہ ''اس سے مراد فلاں ہیں یا فلاں'' اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ بالکل برحق ہے کہ امام مالک بہت بڑے ثقہ امام تھے اور عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر العمری بھی ثقہ تھے، لیکن پہلے حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے، اس کے بعد ہی فقہ الحدیث پر غور ہوسکتا ہے۔

۲۴۷) وعنه فيما أعلم عن رسول الله ﷺ قال :((إن الله عزّوجل يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنةٍ من يُجدّد لها دينها .)) رواه أبو داود .

اور میرے علم کے مطابق (یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سر پر انھیں مبعوث فرمائے گا جو اس کے دین کی تجدید کریں گے۔ اسے ابوداود (۴۲۹۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

۱: ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ پیدا کئے جائیں گے جو صحیح العقیدہ پکے مسلمان اور کتاب و سنت کے جلیل القدر علماء ہوں گے، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تجدید یعنی مسلکِ حق کا پرچار اور بدعات کا رد فرمائے گا۔ یہ ایک آدمی بھی ہوسکتا ہے اور ایک جماعت بھی بلکہ ایک جماعت والی بات زیادہ راجح ہے۔

۲: مجددین کون ہیں اور قرونِ سابقہ میں ان کے کیا نام تھے؟ اس بارے میں واضح کوئی دلیل نہیں، لہٰذا سکوت بہتر ہے۔ بہت سے لوگوں نے اپنے نمبر بڑھانے کے لئے اپنے اپنے پسندیدہ اشخاص کو مجددین میں شامل کرلیا ہے، حالانکہ ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں جن کے عقائد کا صحیح ہونا ثابت نہیں اور نہ وہ حدیث کا علم جانتے تھے۔

اگر واقعی کوئی مجددین ہیں تو وہ صرف صحیح العقیدہ محدثین کرام ہیں، جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی احادیث کا دفاع کر کے اسلام کے علَم کو ہمیشہ سر بلند رکھا اور تقلید کے پرخچے اڑادیئے۔ رہ گئے وہ لوگ جو ''ما مقلداں راجائز نیست ...'' وغیرہ طریقوں سے اندھی تقلید کی طرف دعوت دیتے رہے، انھیں مجددین کی فہرست میں شامل کرنا غلط ہے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو حنفی باور کراتے رہے اور مجددیت کا تاج بھی اپنے سروں پر رکھنے کی کوشش کی۔ یہ تو مرنے کے بعد پتا چلے گا کہ کون مجدد تھا اور کون مخرب تھا؟

سوف ترى إذا انكشف الغبار أفرس تحت رجلك أم حمار

۲۴۸) وعن إبراهيم بن عبدالرحمٰن العذري قال قال رسول الله ﷺ :

((يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تأويل الجاهلين. رواه البيهقي. وسنذكر حديث جابر: ((فإنما شفاء العي السؤال)) في باب التيمم إن شاء اللّٰه تعالى.

اورابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہراَ خلاف سے یہ علم ان کے ہم پایہ (عادل) لوگ حاصل کریں گے، جو غالیوں کی تحریفات، باطل پرستوں کی غلط باتیں اور جاہلوں کی تاویلیں مٹا کر ختم کر دیں گے۔

اسے بیہقی (۲۰۹/۱۰) نے روایت کیا ہے۔ اور جابر (رضی اللہ عنہ) والی حدیث ''پس اندھے کی شفا سوال کرنا ہے'' ہم تیمّم کے باب (ح ۵۳۱) میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

تحقیق الحدیث: العذری والی روایت ضعیف ہے۔

اس کی سند میں معان بن رفاعہ السلامی ضعیف ہے۔ (قال الحافظ : لين الحديث كثير الإرسال / تقریب التہذیب: ٦٧٤٧) **وضعفه الجمهور**

ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری تابعی تھے، لہٰذا یہ سند مرسل یعنی منقطع ہے۔

اس روایت کے تمام شواہد ضعیف ہیں، لہٰذا اسے صحیح قرار دینا غلط ہے۔

۲۴۹) عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((مَن جاءه الموت وهو يطلب العلم ليحيي به الإسلام فبينه و بين النبيين درجةٌ واحدةٌ فى الجنة .)) رواه الدارمي .

اورالحسن (البصری رحمہ اللہ) سے مرسل (یعنی منقطع) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص موت تک طلبِ علم میں رہا تاکہ اسلام زندہ رہے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔

اسے دارمی (۱/۱۰۰ ح ۳۶۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف بلکہ سخت ضعیف ہے۔

اس روایت میں نصر بن القاسم، محمد بن اسماعیل اور عمرو بن کثیر تینوں مجہول ہیں، لہٰذا یہ

امام الحسن البصری رحمہ اللہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔

اس کا ایک موضوع شاہد الاوسط للطبرانی (۹۴۵۰) اور تاریخ بغداد (۷۸/۳) میں موجود ہے جس کا راوی عباس بن بکار الضبی البصری: کذاب ہے، جیسا کہ امام دارقطنی نے فرمایا۔ دیکھئے الضعفاء والمتروکون للدارقطنی (۴۲۳) باقی سند بھی ضعیف و مردود ہے۔

دانت (Teeth)

''ہمارے دانت ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ گوشت سے نکالے گئے ہیں، دانتوں کا سفید رنگ چہرے کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھا۔ سفید کے علاوہ کوئی اور رنگ جیسے سرخ یا سیاہ ہوتا تو انسان سے ڈر لگتا۔ دانتوں میں اللہ تعالیٰ کی بہت نشانیاں ہیں۔ دانتوں کا جبڑوں میں سے نکل کر بڑھنا پھر ایک خاص لمبائی پر آکر رک جانا، اللہ جل جلالہ کی نشانی ہے۔ اگر یہ بڑھتے ہی رہتے تو ہماری زندگی عذاب بن جاتی۔ کیا ان کو ہم نے روکا ہے؟ پھر ان کی ساخت پر غور کریں، کسی بھی چیز کو کھانے کے لئے پہلے کاٹنے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سامنے والے دانت تیز اور نوکیلے بنائے تاکہ ہم خوراک کو آسانی سے کاٹ سکیں اور پچھلے دانت چوڑے بنائے تاکہ خوراک کو پیسا جاسکے۔ کیا یہ سب کچھ ہم نے اپنی مرضی سے کیا ہے؟ ہرگز نہیں! اللہ جل جلالہ تک پہنچنے کے لئے تو ہمارے دانت ہی کافی ہیں جو زبانِ حال سے اپنے خالق کی صنعت گری کا اعلان کر رہے ہیں۔ کاش ہم ان دانتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے خالق کو بھی یاد رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں۔

کیا منہ کا گوشت خود بخود دانتوں میں تبدیل ہوگیا ہے؟ دانتوں کے مادے (Material) پر غور کریں: اگر یہ نرم ہوتا تو چبا نہ سکتا اور لوہے کی طرح سخت ہوتا تو ہماری زبان کو کاٹ دیتا۔ خالق نے ایسے مادے کا انتخاب کیا ہے جو مذکورہ کام کے لئے موزوں ترین تھا۔ عقل والوں کے لئے دانتوں میں قدرت کی بالکل واضح نشانیاں ہیں۔''

(حافظ محمد جعفر حفظہ اللہ [انجینئر] کی عظیم الشان کتاب: کائنات سے خالقِ کائنات تک [وجودِ خالق کے حیرت انگیز دلائل] تمام نسلِ انسانی کے لئے ص ۱۴۳)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

پانچ فرض نمازوں کی رکعتیں اور سنن ونوافل

سوال محترم حافظ صاحب! ایک دیوبندی ''بھائی'' نے ہم سے یہ سوال کیا ہے کہ آپ ہمیں نماز پنجگانہ کی رکعات کی تعداد احادیث صحیحہ سے دلیل کے ساتھ بتا دیں تو ہم مان جاتے ہیں کہ مسلک اہلحدیث صحیح مسلک ہے جبکہ ہمارے پاس فقہ حنفی میں نماز پنجگانہ کی رکعات کی تعداد موجود ہے۔ اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کی کاوشوں سے ہی ان رکعات کی تعداد علم میں آئی ہے اور پڑھی جاتی ہیں۔ (جن میں عشاء کی ۱۷ رکعات بھی شامل ہیں) چنانچہ گذارش ہے کہ آپ صحیح حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھ دیں۔ اور مکمل تفصیل اور تخریج کے ساتھ، اور براہ کرم لکھتے وقت صرف حدیث نمبر نہ لکھیں بلکہ مکمل تخریج کے ساتھ لکھیں۔ نیز نفلی رکعات کی تعداد بھی لکھ دیں۔ (خالد اقبال سوھدروی، وزیر آباد)

الجواب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((فأَخبِرهُم أَنَّ اللّٰهَ فرض عليهم خمسَ صلوٰاتٍ في يومهم و ليلتهم .))

پھر اُنھیں بتا دو: بے شک اللہ نے اُن پر اُن کے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (صحیح بخاری ج۲ص ۱۰۹۶، کتاب التوحید باب نمبر ۱، ح ۷۳۷۲، صحیح مسلم ج۱ص ۳۷ ح ۱۹، ترقیم دارالسلام: ۱۲۱، کتاب الایمان باب الدعاء الی الشھادتین وشرائع الاسلام)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: '' كان أول ما افترض على رسول اللّٰه ﷺ الصلوٰة ركعتان ركعتان إلا المغرب فإنها كانت ثلاثًا . ثمّ أتمّ اللّٰه الظهر والعصر والعشاء الآخرة أربعًا في الحضر ، و أقرّ الصلوٰة على فرضها الأول في السفر . '' رسول اللہ ﷺ پر پہلے جو نماز فرض ہوئی دو دو رکعتیں تھیں سوائے مغرب کے، پس بے شک وہ تین (رکعتیں) تھیں۔ پھر اللہ نے ظہر، عصر اور عشاء کو حضر

(یعنی اپنے علاقے) میں چار رکعتیں پورا کر دیا اور سفر میں نماز اپنے پہلے فرض پر ہی مقرر رہی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۲ ح ۲۶۳۳۸ وسندہ حسن لذاتہ)

اس حدیث سے درج ذیل باتیں ثابت ہیں:

۱: نمازِ فجر دو رکعت فرض ہے۔

۲: نمازِ ظہر اپنے علاقے میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہے۔

۳: نمازِ عصر اپنے علاقے میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہے۔

۴: نمازِ مغرب تین رکعتیں فرض ہے۔

۵: نمازِ عشاء اپنے علاقے میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہے۔

دیوبندی نے نمازِ پنجگانہ کی رکعات کا جو مطالبہ کیا، وہ اس حدیث سے ثابت ہو گیا اور یاد رہے کہ ان رکعاتِ مذکورہ پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ دیکھئے مراتب الاجماع لابن حزم (ص ۲۴۔۲۵) اور میری کتاب توضیح الاحکام (ج ۱ ص ۴۰۸)

دیوبندی کا یہ کہنا ''ہمارے پاس فقہ حنفی میں نماز پنجگانہ کی رکعات کی تعداد موجود ہیں۔'' غلط ہے، وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی تو امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کا نام ہے اور حنفیوں کے پاس فقہ میں امام ابو حنیفہ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ ابن فرقد شیبانی اور قاضی ابو یوسف دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح تھے اور ان سے بھی یہ دیوبندی دعویٰ ثابت نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بہت بعد پیدا ہونے والے قدوری، سرخسی اور ملا مرغینانی وغیرہم کے حوالے فضول ہیں اور انھیں فقۂ حنفی کہنا غلط ہے۔

مذکورہ دیوبندی سے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ وہ صحیح سند کے ساتھ امام ابو حنیفہ سے پانچ نمازوں کے فرائض کی تعداد، سنن کی تعداد اور نوافل ثابت کر دیں، اور اگر نہ کر سکیں تو پھر اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کے خلاف پروپیگنڈا کرنا چھوڑ دیں۔

جب امام ابو حنیفہ پیدا نہیں ہوئے تھے تو لوگ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟

انھیں کہیں کہ وہ صحیح سند کے ساتھ امام ابو حنیفہ سے عشاء کی ۱۷ رکعات بھی ثابت

کریں۔ یہ لوگ امام ابوحنیفہ کا نام لے کر، اُن کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کو دھوکا دیتے ہیں۔

سنتوں کی تعداد درج ذیل ہے:

۱: صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتیں۔

(صحیح بخاری ج۱ص ۱۵۷ح ۱۱۸۰، ابواب التطوع باب الرکعتین قبل الظہر)

۲: ظہر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں۔ (صحیح بخاری، دیکھئے سابقہ فقرہ نمبر۱)

ظہر کی نماز کے بعد دو رکعتیں (صحیح بخاری، دیکھئے سابقہ فقرہ نمبر۱)

ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں بھی ثابت ہیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (ج۱ص ۱۵۷ح ۱۱۸۲، ابواب التطوع باب الرکعتین قبل الظہر)

۳: عصر سے پہلے دو رکعتیں۔ (سنن ابی داود: ۱۲۷۲، وسندہ حسن)

عصر سے پہلے چار رکعتوں کی فضیلت بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے سنن الترمذی، کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الأربع قبل العصر ح ۴۳۰ وقال: ''ھذا حدیث حسن غریب'' وسندہ حسن)

۴: مغرب کے بعد دو رکعتیں

(صحیح بخاری ج۱ص ۱۲۸ح ۹۳۷، کتاب الجمعہ باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ وقبلھا)

۵: عشاء کے بعد دو رکعتیں۔ (صحیح بخاری، دیکھئے سابقہ فقرہ نمبر۴)

((إلا أن تطوع)) سوائے اس کے جو تم نفل پڑھو۔ (صحیح بخاری ج۱ص ۱۲ح ۴۶ کتاب الایمان باب الزکوٰۃ من الاسلام) کی رُو سے (دو دو کر کے) جتنے نوافل پڑھیں جائز ہے۔

دیوبندی کو کہیں کہ ہم نے آپ کے سوال کا جواب صحیح حدیث اور اجماع سے دے دیا ہے، لہٰذا آپ اب مسلک اہلِ حدیث قبول کر لیں۔

اگر وہ مسلکِ حق قبول نہیں کرتے تو پھر اپنے دعوے کے مطابق امام ابوحنیفہ سے صحیح سند کے ساتھ درج ذیل باتیں ثابت کریں:

۱: نماز پنجگانہ کے فرائض کی تعداد

۲: سُنن کی تعداد

۳: نوافل

۴: عشاء کی ۱۷ رکعات

یادرہے کہ بے سند کتابوں مثلاً قدری، مبسوط، ہدایہ اور فتاویٰ شامی وغیرہ کے حوالوں کی کوئی ضرورت نہیں اور ضعیف و مجروح راویوں مثلاً قاضی ابو یوسف اور محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی وغیرہما کا کوئی حوالہ پیش نہ کریں۔

دیوبندیوں اور بریلویوں کا یہ کہنا کہ ''ہماری نماز امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے'' بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ کیا امام ابوحنیفہ نے کہا تھا کہ اے بریلویو! اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھو اور اے دیوبندیو! تم نہ پڑھو۔

اے بریلویو! تم جنازے کے بعد دعا کرو اور اے دیوبندیو! تم یہ دعا نہ کرو۔

اے دیوبندیو! تم ولا الضالین ظاء کے ساتھ پڑھو اور اے بریلویو! تم ولا الضالین دال کے ساتھ پڑھو۔

اگر صحیح متصل سند ہے تو اسے پیش کرو ورنہ یاد رکھو کہ امام ابوحنیفہ تمھاری ان باتوں سے بری ہیں، لہٰذا خواہ مخواہ اُن کا نام لے کر اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کو دھوکا نہ دو۔ آخر ایک دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش بھی ہونا ہے، اُس دن کیا جواب دو گے؟!

و ما علینا إلا البلاغ (۳۰/مئی ۲۰۱۰ء)

شذرات الذہب — ابومعاذ

اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما

سیدنا اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (جب میں چھوٹا بچہ تھا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک ران پر بٹھاتے اور (سیدنا) حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو دوسری ران پر بٹھاتے پھر (ہم) دونوں کو ملا دیتے پھر فرماتے: ((اللهم ارحمهما فإني أرحمهما .))

اے اللہ! تُو ان دونوں پر رحم فرما، کیونکہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۶۰۰۳)

حافظ زبیر علی زئی

جنازہ گاہ اور مسجد میں نمازِ جنازہ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

تین مقامات پر نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور ممنوع نہیں ہے:

۱: جنازہ گاہ (دیکھئے صحیح بخاری:۱۳۲۹، ۱۲۴۵، صحیح مسلم:۹۵۱)

۲: عام زمین مثلاً کھلا میدان وغیرہ، سوائے اُس زمین کے جسے ممانعت کی دلیل نے خاص کر دیا ہے، مثلاً گندگی کی جگہ وغیرہ۔ (دیکھئے صحیح مسلم:۵۲۳، اور دیگر احادیث)

۳: مسجد (دیکھئے صحیح مسلم:۹۷۳)

ان تین حالتوں میں سے اول الذکر (جنازہ گاہ) میں جنازہ پڑھنا افضل ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا عام معمول یہی رہا ہے۔

مسجد میں نمازِ جنازہ کے جواز کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

''ما صلّی رسول اللّٰہ ﷺ علیٰ سھیل ابن البیضاء إلا فی المسجد .''

رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن البیضاء (رضی اللہ عنہ) کا جنازہ مسجد میں ہی پڑھا تھا۔

(صحیح مسلم:۹۷۳)

۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۵ھ) کا جنازہ مسجد میں پڑھا جائے تو لوگوں (الناس) نے اُن پر انکار کیا۔ الخ (صحیح مسلم:۹۷۳)

یہاں انکار کرنے والے لوگوں (الناس) سے مراد صحابہ نہیں بلکہ وہ ''**عامة جهال أو أعراب**'' عام جہال یا بدو تھے۔ دیکھئے المحلی لابن حزم (۱۶۳/۵، مسئلہ:۶۰۳)

ان لوگوں کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ''**لا علم**'' قرار دیا۔ (صحیح مسلم:۹۷۳)

۳) نبی ﷺ کی ازواج مطہرات نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں

پڑھا۔ دیکھئے صحیح مسلم (۹۷۳، دارالسلام: ۲۲۵۳)

۴) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن البیضاء اور اُن کے بھائی (صفوان یا سہل رضی اللہ عنہما) کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔ (صحیح مسلم: ۹۷۳)

۵) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔ دیکھئے موطأ امام مالک (روایۃ یحییٰ ۱/۲۳۰ ح ۵۴۲ وسندہ صحیح)

یہ نمازِ جنازہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۵۲/۴ وسندہ صحیح)

اور کسی صحابی سے اس فعل پر رد یا انکار ثابت نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ کے جواز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہے۔

۶) امام مالک رحمہ اللہ نے "**باب الصلوٰۃ علی الجنائز فی المسجد**" کے ذریعے سے مسجد میں نماز جنازہ کی روایات ذکر کیں اور کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔

دیکھئے الموطأ (روایۃ یحییٰ ۱/۲۲۹۔۲۳۰)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام مالک مسجد میں نمازِ جنازہ جائز سمجھتے تھے۔

تنبیہ: امام مالک سے مسجد میں نمازِ جنازہ کی مخالفت والی روایت (سنن الترمذی: ۱۰۳۳) موطأ امام کی تبویب کی رو سے منسوخ ہے۔

۷) امام شافعی رحمہ اللہ بھی مسجد میں نمازِ جنازہ کے قائل تھے۔

دیکھئے کتاب الام (ج ۷ ص ۲۱۱)

۸) امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا:

"**رأیت أحمد مالا أحصي یصلي علی الجنائز فی المسجد**"

میں نے بے شمار مرتبہ دیکھا کہ (امام) احمد (بن حنبل رحمہ اللہ) مسجد میں نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ (مسائل ابی داود ص ۱۵۷)

۹) امام بخاری نے "**باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد**" کے ذریعے سے مسجد میں نمازِ جنازہ کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۱۳۲۷)

۱۰) مسجد میں نمازِ جنازہ کا جائز ہونا جمہور کا مسلک ہے۔ دیکھئے فتح الباری (ج ۳ ص ۱۹۹ تحت ح ۱۳۲۷۔۱۳۲۹) اور شرح صحیح مسلم للنووی (۴۰/۷ تحت ح ۹۷۳)

☆ عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔

(طبقات ابن سعد ۲۰۷/۳ من طریق عبدالعزیز بن محمد عن ہشام عن ابیہ وسندہ صحیح الی عروہ رحمہ اللہ)

یہ روایت مرسل ہے، لیکن اس سے دو باتیں ظاہر ہیں:

۱: عروہ رحمہ اللہ مسجد میں نمازِ جنازہ کو جائز سمجھتے تھے۔

۲: عروہ رحمہ اللہ اپنے نانا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور اس کے مقابلے میں کوئی صحیح روایت نہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جنازہ مسجد کے باہر پڑھی گئی تھی۔ واللہ اعلم

تاہم یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے لہٰذا میں نے اُسے اپنے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔

۱۱) مکہ مکرمہ (بیت اللہ) اور مدینہ نبویہ (مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں نمازِ جنازہ دونوں مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے، جس کا ہم نے بار بار مشاہدہ کیا ہے اور مکہ و مدینہ میں حجاج کرام، معتمرین اور عام مسلمین بھی اس نمازِ جنازہ میں شامل ہوتے ہیں۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی عذر یا سبب ہو تو مسجد میں نمازِ جنازہ جائز ہے، چاہے میت مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو، دونوں حالتوں میں جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔

جو لوگ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اسے مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں، ان کے شبہات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی ''فلا شيء له'' اس کے لئے (یعنی اُس پر) کوئی چیز نہیں ہے۔ (مسند احمد ۴۵۵/۲ ح ۹۸۶۵)

ایک روایت میں ''فلا شيء علیه'' اس پر کوئی چیز (یعنی کوئی گناہ وغیرہ) نہیں ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۱۹۱)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: صالح بن نبہان مولی التوأمہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

اُس پر امام ابو زرعہ الرازی ، ابو حاتم الرازی ، نسائی ، ابن الجارود، الساجی اور ابو العرب وغیرہم نے جرح کی اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **صالح مولی التوأمة كذاب** '' صالح مولی التوأمہ کذاب ہے۔ (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ص ۴۶۱ وسندہ صحیح)

اگر کوئی کہے کہ '' صالح مذکور پر جرح اُس کے اختلاط کی وجہ سے ہے، لہٰذا اُس کے اختلاط سے پہلے والی روایات صحیح یا حسن ہیں اور یہ روایت صالح مولی التوأمہ کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' **و ابن أبي ذئب سمع منه أخيرًا، يروي عنه مناكير** ''

اور ابن ابی ذئب نے اُس سے آخر میں (یعنی اختلاط کے بعد) سنا تھا، وہ اُس سے منکر روایتیں بیان کرتے تھے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱۸۱/۳، علل الترمذی الکبیر ۳۳/۱، ترتیب علل الترمذی ۸/۱ ورقہ ۵، شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ۳۴۲/۱)

آخر الذکر تین حوالے مکتبہ شاملہ سے لئے گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ محدثین کرام کا اس میں اختلاف تھا کہ ابن ابی ذئب کا صالح مولی التوأمہ سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے یا بعد کا ہے، لہٰذا مسئلہ مشکوک ہوگیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حبان نے فرمایا: '' **فاختلط حديثه الأخير بحديثه القديم و لم يتميز فاستحق الترك** '' پس اُس کی آخری حدیثیں پہلی حدیثوں سے خلط ملط ہوگئیں اور (دونوں کے درمیان) تمیز نہ ہو سکی، لہٰذا وہ اس کا مستحق ہوا کہ (اُسے یا اس کی روایتوں کو) ترک کر دیا جائے۔ (کتاب المجروحین ج ۱ ص ۳۶۶، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۶۴ ت ۴۷۹)

دوم: جلیل القدر محدثین کرام نے خاص طور پر صالح مولی التوأمہ کی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مثلاً:

۱: امام ابن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) نے فرمایا: '' **و لا يصح عن**

النبي ﷺ ... ''اور نبی ﷺ سے یہ روایت صحیح (ثابت) نہیں ہے۔(الاوسط ۴۱۶/۵)

۲: حافظ ابن حبان نے کہا: ''**و هذا خبر باطل**'' اور یہ روایت باطل ہے۔

(کتاب المجروحین ۳۶۶/۱، دوسرا نسخہ ۳۶۵/۱)

۳: حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: ''**عن أبي هريرة لا يثبت عنه ...**''

یہ روایت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے ثابت نہیں ہے۔(الاستذکار ۴۶/۳)

☆ حافظ ابن عبدالبر نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے (بغیر کسی سند کے) نقل کیا کہ حدیث ابی ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ثابت نہیں ہے۔(ایضاً ص ۴۶) نیز دیکھئے فقرہ: ۵

۴: حافظ ابن الجوزی نے کہا: ''**هذا حديث لا يصح**'' یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(العلل المتناہیہ ۴۱۴/۱ ح ۶۹۶)

۵: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''**حتى يثبت حديث صالح مولى التوأمة**''

حتیٰ کہ صالح مولی التوأمہ کی حدیث ثابت ہوجائے۔(عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا:) ''**كان عنده ليس يثبت أوليس صحيحًا .**'' وہ آپ کے نزدیک ثابت نہیں تھی یا صحیح نہیں تھی۔(مسائل احمد، روایۃ عبداللہ بن احمد ۴۸۲/۲۔۴۸۳ فقرہ: ۶۷۱)

احمد بن سلیمان (یعنی احمد بن سلمان النجاد) کی روایت میں ہے کہ ''**كأنه عنده ليس يثبت أو ليس بصحيح .**'' گویا وہ اُن کے نزدیک ثابت نہیں یا صحیح نہیں ہے۔

(ناسخ الحدیث ومنسوخہ لابن شاہین: ۳۵۲ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۳۴۹)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسجد میں نمازِ جنازہ کے بارے میں فرمایا: ''**إليه أذهب وهو قول الشافعي**'' میرا یہی مذہب ہے اور شافعی کا یہی قول ہے۔

(ناسخ الحدیث ومنسوخہ: ۳۵۱ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۳۴۹)

۶: نووی نے اسے ضعیف روایات میں شمار کیا۔(دیکھئے خلاصۃ الاحکام ج ۳ ص ۹۵۰ ح ۳۶۸۹)

اور فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر حفاظ کا اتفاق ہے۔(المجموع شرح المہذب ۲۱۴/۵)

۷: حافظ ابن عدی نے اس روایت کو صالح بن نبہان مولی التوأمہ کی روایات (یعنی

روایاتِ منتقدہ) میں ذکر کیا۔ (دیکھئے الکامل لابن عدی ۴/ ۱۳۷۴، دوسرا نسخہ ۵/ ۸۵)

اور عینی حنفی نے کہا: ''و رواه ابن عدي في الكامل بلفظ أبي داود و عدّه من منكرات صالح ... '' اسے ابن عدی نے الکامل میں ابوداود کے لفظ کی طرح روایت کیا اور اسے صالح کی منکر روایتوں میں شمار کیا... (شرح سنن ابی داود ج ۶ ص ۱۲۸۔۱۲۹)

۸: امام بخاری کے نزدیک یہ روایت منکر ہے۔ دیکھئے معرفۃ السنن والآثار (۳/ ۱۸۱)

۹: حافظ ذہبی نے یہ روایت ذکر کر کے فرمایا: ''صالح واهٍ'' صالح سخت ضعیف ہے۔ (التنقیح لکتاب التحقیق لاحادیث التعلیق ۱/ ۳۳۳)

یعنی یہ روایت حافظ ذہبی کے نزدیک ضعیف و مردود ہے۔

۱۰: ابن حزم نے صالح مولی التوأمہ کو ساقط قرار دے کر اس روایت پر جرح کی۔ دیکھئے المحلی (۵/ ۱۶۳، مسئلہ: ۶۰۳)

☆ ابن بطال نے قاضی اسماعیل بن اسحاق سے بغیر کسی سند کے نقل کیا کہ انھوں نے اس سند کو ضعیف و غیر ثابت قرار دیا۔ (شرح صحیح بخاری لابن بطال ۳/ ۳۱۲)

۱۱: امام حسین بن مسعود البغوی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: ''و هذا ضعيف الإسناد'' اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (شرح السنۃ ۵/ ۳۵۲ ح ۱۴۹۳)

☆ زیلعی حنفی نے نووی کی کتاب الخلاصہ سے نقل کیا کہ خطابی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۲/ ۲۷۶)

جمہور کی اس جرح کے مقابلے میں بعض علماء کا اسے حسن یا صحیح قرار دینا غلط ہے۔

تنبیہ: راقم الحروف نے سنن ابی داود (۳۱۹۱) اور سنن ابن ماجہ (۱۵۱۷) وغیرہما میں بعض علماء کے اس قول: '' صالح مولی التوأمہ نے اس روایت کو اختلاط سے پہلے بیان کیا ہے'' پر اعتماد کرتے ہوئے ''إسناده حسن '' قرار دیا، جو کہ قولِ مذکور کے مشکوک ہونے کی وجہ سے غلط ہے، لہٰذا میں اپنی سابق تحقیق سے علانیہ رجوع کرتا ہوں اور حق یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف و منکر ہے۔

۲) صالح مولی التوأمہ سے روایت ہے کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا جنھوں نے نبی ﷺ اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو پایا تھا، وہ جب نماز جنازہ کے لئے آتے اور انھیں مسجد کے سوا کوئی جگہ نہ ملتی تو واپس چلے جاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے۔

(مسند الطیالسی: ۲۳۱۰، دوسرا نسخہ: ۲۴۲۹، نیز دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۶۴ ح ۱۱۹۷۱)

یہ روایت صالح مولی التوأمہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

نیز دیکھئے فقرہ سابقہ: ۱

۳) کثیر بن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ "**لأعرفن ما صلّیت علی جنازۃ فی المسجد**" مجھے خوب معلوم ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۶۵ ح ۱۱۹۷۲)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: مصنف عبدالرزاق (۳/۵۲۷ ح ۶۵۸۰ وسندہ ضعیف) میں کثیر بن عباس کے شاگرد کا نام مسلم ہے اور محلی ابن حزم (۵/۱۶۳) میں سعید بن ایمن، لہٰذا یہ سند مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوم: مصنف ابن ابی شیبہ میں کثیر بن عباس سے راوی سعید بن سمعان ہیں جن کا اُن سے سماع ثابت نہیں ہے۔

۴) وفاء الوفاء (۲/۵۳۱) نامی کتاب میں بغیر سند کے دو روایتیں ہیں:

۱: مروان بن الحکم کے سپاہی لوگوں کو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے روکتے تھے۔

۲: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سپاہی لوگوں کو مسجد میں جنازہ پڑھنے سے روکتے تھے۔

یہ دونوں روایتیں بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

۵) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر میت مسجد کے اندر ہو تو نمازِ جنازہ مکروہ ہے اور اگر باہر ہو تو جائز ہے۔

ان لوگوں کا یہ قول بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۶) بعض لوگ مسجد میں نمازِ جنازہ کی ممانعت کے لئے فقہ حنفی کی کتابوں مثلاً ہدایہ وغیرہ کے حوالے اور ابن فرقد (محمد بن الحسن الشیبانی) اور طحاوی وغیرہما کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ یہ تمام حوالے اور اقوال صحیح احادیث، آثارِ صحابہ، آثارِ سلف صالحین، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کی کتابوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

۷) بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ منسوخ ہے۔

یہ قول کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:

۱: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی، جس پر کسی صحابی کا اعتراض ثابت نہیں، لہٰذا دعویٔ منسوخیت باطل ہے۔

۲: امام ابن شاہین البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے مسجد میں نمازِ جنازہ نہ پڑھنے والی روایت کے بارے میں فرمایا: ''**فإن صح حديث ابن أبي ذئب فهو منسوخ بحديث سهيل بن بيضاء ...** ''اگر ابن ابی ذئب کی حدیث صحیح ہوتی تو وہ سہیل بن بیضاء (رضی اللہ عنہ) کی حدیث کی رُو سے منسوخ ہے...

(ناسخ الحدیث ومنسوخہ ص۴۰۴ ح ۳۴۹)

یعنی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنا منسوخ ہے، بشرطیکہ نہ پڑھنے والی روایت صحیح ثابت ہو جائے۔

تنبیہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح یہ قطعاً ثابت نہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے، یا مسجد میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

ابن فرقد وغیرہ کے مردود حوالے اور بے سند اقوال کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آخر میں بطورِ خلاصۃ التحقیق عرض ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ جائز ہے۔ چاہے مسجد میں میت کی لاش ہو یا مسجد سے باہر ہو، لیکن مسجد سے باہر جنازہ گاہ میں یا کھلے میدان میں نماز جنازہ پڑھنا بہتر ہے۔ **و ما علينا إلا البلاغ** (۲۹/اپریل ۲۰۱۰ء)

محمد زبیر صادق آبادی

ہاں! مقلدینِ دیوبند کا عمل خلفائے راشدین کے مخالف ہے

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے والی حدیث کو صحیح قرار دے کر فقہ الحدیث بیان کرتے ہوئے لکھا تھا:

''⑥ اہلِ حدیث (محدثین کرام اور متبعین حدیث) کے خلاف بعض آلِ تقلید یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ یہ تو خلفائے راشدین کے خلاف ہیں۔ اسی سلسلے میں پالن گجراتی نامی ایک شخص نے ''جماعت اہلِ حدیث کا خلفائے راشدین سے اختلاف'' نامی کتاب لکھی ہے جس میں کذب و افتراء اور مغالطات پر کاربند و گامزن رہتے ہوئے اس شخص نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہلِ حدیث خلفائے راشدین کے خلاف ہیں۔ اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے گیارہ حوالے پیشِ خدمت ہیں جن میں آلِ تقلید نے خلفائے راشدین کی صریح مخالفت کی ہے:'' (الحدیث نمبر ۵۳ ص ۹)

اس کے جواب میں الیاس گھمن دیوبندی کے رسالہ قافلہ حق (ج ۳ شمارہ نمبر ۱) میں ابوالحسن دیوبندی (؟) کا مضمون بنام: ''کیا مقلدین کا عمل خلفائے راشدین کے مخالف ہے؟'' شائع ہوا، جس کا جواب دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ بہت سے ایسے دوست بھی ہیں جن کے پاس حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا رسالہ الحدیث تو جاتا ہے، لیکن دیوبندیوں کا رسالہ ''قافلہ حق'' نہیں جاتا۔ اس لئے الحدیث کے قارئین بھی دیکھ لیں کہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا تیر بالکل نشانے پر لگا ہے۔

ابوالحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

''ماہنامہ الحدیث کے شمارہ نمبر 53 میں مجتہد آل حدیث جناب زبیر علی زئی کا مضمون رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کے نام سے چھپا۔ جس میں عادت سے مجبور مجتہد صاحب نے شرمناک جھوٹ بولتے ہوئے مقلدین پر الزام عائد کیا کہ یہ خلفائے راشدین کے عمل سے منحرف

ہیں۔ چنانچہ الحدیث شمارہ 9/53 پر لکھتے ہیں ''اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے دس حوالے پیش خدمت ہیں۔ جن میں آل تقلید نے خلفائے راشدین کی صریح مخالفت کی ہے۔ص 9 پر نمبروار گیارہ حوالے نقل کیئے ہیں۔ ارباب انصاف اس گامن سچا علی زئی صاحب کی فریب کاری ملاحظہ فرمائیں۔'' (دیوبندی رسالہ: قافلہ حق ج۳ شمارہ نمبر ا ص ۱۶)

قارئین کرام! حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے گیارہ حوالے نقل کیئے تھے اور لفظ بھی گیارہ ہی لکھا تھا لیکن ابوالحسن دیوبندی نے گیارہ کو دس بنا دیا اور پھر جواب بھی دس حوالوں کا ہی دیا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ظہر کا وقت ایک ذراع سایہ ہونے سے لے کر آدمی کے برابر سایہ ہونے تک ہے۔ (الاوسط لابن المنذر ج ۲ ص ۳۲۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل ہونے پر شروع ہو جاتا ہے مگر اس فتوے کے مخالف آلِ تقلید کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ دو مثل کے بعد عصر کی اذان دیتے ہیں۔''

(ماہنامہ الحدیث حضرو: ۵۳ ص ۹)

اس کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

''ا۔ سیدنا عمرؓ نے لکھا کہ ظہر کا وقت ایک ذراع سایہ ہونے سے لے کر آدمی کے برابر سایہ ہونے تک ہے (الاوسط فی المنذر)

الجواب: اگر چہ مجتہد آل حدیث نے اپنی رائے سے اس اثر کا مطلب تراشا اور حضرت عمرؓ پر جھوٹ بولا کہ ان کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ عصر کا وقت آدمی کے برابر سایہ ہونے پر شروع ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس پورے اثر میں وقت عصر کی صراحت بالکل موجود نہیں۔ اس کے باوجود زبیر علی زئی کا یہ جھوٹ ہے کہ آل تقلید اس روایت پر عمل نہیں کرتے حالانکہ امام شافعی، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ وغیرہ کا عمل اس علی زئی کے بیان کردہ مطلب کے مطابق ہے۔ امام ترمذیؒ نے باب ماجاء فی تعجیل العصر میں عبداللہ ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کا مذہب تعجیل عصر لکھا ہے [ترمذی 138/1]

حرمین شریفین میں آج تک عصر کی نماز جماعت کے ساتھ ایسے وقت میں ادا کی جاتی ہے جب کہ سایہ آدمی کے برابر ہو جاتا ہے تو کیا علی زئی ثابت کر سکتا ہے کہ ائمہ حرمین تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں

اور یہ امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید ان کے نزدیک حرام ہے۔" (قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ا ص ۱۶۔۱۷)

قارئین کرام! امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام عبداللہ بن المبارک اور امام ترمذی رحمہم اللہ یہ سب اہلِ حدیث کے امام تھے اور ہرگز آلِ تقلید نہیں تھے۔

ابوالحسن دیوبندی کی پوری عبارت آپ کے سامنے ہے کہ ابوالحسن دیوبندی نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ بہت سے ائمہ مسلمین اور حرمین شریفین کا عمل خلیفہ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فتوے کے مطابق ہے، لیکن ابوالحسن دیوبندی نے اپنا (یعنی دیوبندیوں کا) نام تک نہیں لیا جس سے ثابت ہوگیا کہ دیوبندی مذکورہ اثر کی مخالفت کرتے ہیں۔

دیوبندیوں کی کسی بھی مسجد میں جا کر دیکھ لیں، وہ دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھتے ہیں اور اپنی مسجد میں وہ ایک مثل پر کبھی عصر کی نماز نہیں پڑھتے۔

اور حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے بھی "بعض آلِ تقلید" اور پالن گجراتی (جو کہ دیوبندی ہے) کی صراحت کر کے لکھا ہے کہ: "اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے گیارہ حوالے پیشِ خدمت ہیں" (دیکھئے الحدیث: ۵۳ ص ۹)

اتنی واضح صراحت کے باوجود ابوالحسن دیوبندی کا یہ ثابت کرنا کہ (دیوبندیوں کے علاوہ) فلاں فلاں کا عمل اس اثر کے مطابق ہے اور حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے قول کو جھوٹ کہنا خود جھوٹ ہے، کیونکہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے یہ نہیں کہا تھا کہ تمام مقلدین اس اثر کی مخالفت کرتے ہیں، کوئی بھی مقلد اس اثر کے مطابق عمل نہیں کرتا۔

اگر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ یہ بھی لکھ دیتے کہ تمام مقلدین کا عمل اس اثر کے خلاف ہے تو بھی آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق جھوٹ نہ ہوتا، کیونکہ تمام کو عربی میں کل کہتے ہیں۔

سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: "اگرچہ لفظ کل اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے عام ہے لیکن استعمال کے لحاظ سے کل اور بعض اور عموم وخصوص دونوں کے لئے برابر آتا ہے"

(ازالۃ الریب ص ۴۶۷)

باقی ابوالحسن دیوبندی کا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے اپنی

رائے سے اس اثر کا مطلب تراشا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بولا ہے بذاتِ خود ابوالحسن دیوبندی کا جھوٹ ہے، کیونکہ جن احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھا تھا، ان احادیث کو آلِ دیوبند جمع تقدیم یا تاخیر کی بجائے جمع صوری پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کو ظہر کے آخری وقت میں پڑھا تھا اور عصر کو عصر کے شروع وقت میں پڑھا تھا اور آل دیوبند کے نزدیک بھی ''ظہر کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب عصر کی نماز کا وقت داخل ہوتا ہے'' (نماز مسنون ص ۱۸۱)

تو پھر ظاہر ہے کہ ظہر وعصر کے درمیان کوئی مہمل وقت نہیں ہے وگرنہ آل دیوبند کا یہ جمع صوری والا فلسفہ بے کار ہو جائے گا، اب آل دیوبند ہی بتائیں! کیا وہ ظہر کا وقت خلیفہ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ایک ذراع سایہ ہونے سے لے کر آدمی کے برابر سایہ ہونے تک تسلیم کرتے ہیں؟

اور پھر تقلید کے متعلق ابوالحسن دیوبندی کا یہ کہنا کہ ''کیا علی زئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ ائمہ حرمین تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں اور یہ کہ امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید اُن کے نزدیک حرام ہے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے تو اپنے پورے مضمون میں یہ لکھا ہی نہیں کہ تقلید شرک ہے، البتہ سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطاء مُصیب وجوباً مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اسکی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالےٰ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ الآیۃ اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے الخ (فتاویٰ امدایہ ج ۴ ص ۸۸)'' (الکلام المفید ص ۳۰۵)

اشرفعلی تھانوی نے ایک اور جگہ لکھا ہے: ''اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے اُنکے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی

ہی بعید ہو اور خواہ دوسری طرف دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اُس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں...'' (تذکرۃ الرشید ج۱ص ۱۳۱)

سرفراز صفدر دیوبندی نے (خود) لکھا ہے: ''کوئی بدبخت اور ضدی مقلّد دِل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن وحدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں لا شك فيه''

(الکلام المفید ص ۳۱۰)

ابوالحسن دیوبندی کو چاہئے کہ اشرفعلی تھانوی اور سرفراز صفدر کی مذکورہ عبارتوں پر غور کرے، ہوسکتا ہے کہ اس کی غلط فہمی دور ہو جائے، **باقی رہا ابوالحسن کا شافعیوں کے متعلق کہنا کہ ان کا عمل خلیفۂ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اثر مطابق ہے تو کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا مضمون دیوبندیوں کے متعلق ہے۔**

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے حنفیوں اور شافعیوں کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''۶: تقلیدِ شخصی کی وجہ سے آلِ تقلید نے اپنے تقلیدی بھائیوں پر فتوے تک لگا دیئے مثلاً:

محمد بن موسیٰ البلاساغونی حنفی سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

''لو كان لي أمر لأخذت الجزية من الشافعية ''اگر میرے پاس اختیار ہوتا تو میں شافعیوں سے (انہیں کافر سمجھ کر) جزیہ لیتا۔ (میزان الاعتدال للذہبی ج۴ص ۵۲)

عیسیٰ بن ابی بکر بن ایوب الحنفی سے جب پوچھا گیا کہ تم حنفی کیوں ہو گئے ہو جب کہ تمھارے خاندان والے سارے شافعی ہیں؟ تو اس نے جواب دیا: کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ گھر میں ایک مسلمان ہو۔! (الفوائد البہیہ ص۱۵۲،۱۵۳)

حنفیوں کے ایک امام السفکر دری نے کہا: ''لا ينبغي للحنفي أن يزوج بنته من شافعي المذهب و لكن يتزوج منهم ''حنفی کو نہیں چاہئے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کسی

شافعی مذہب والے سے کرے لیکن وہ اس (شافعی) کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہامش فتاویٰ عالمگیریہ ج۴ص ۱۱۲) یعنی شافعی مذہب والے (حنفیوں کے نزدیک) اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کے حکم میں ہیں۔ دیکھئے البحر الرائق (ج۲ص ۴۶)

۷: تقلیدِ شخصی کی وجہ سے حنفیوں اور شافعیوں نے ایک دوسرے سے خونریز جنگیں لڑیں۔ ایک دوسرے کو قتل کیا، دکانیں لُوٹیں اور محلے جلائے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے یاقوت الحموی (متوفی ۶۲۶ھ) کی معجم البلدان (ج ۱ص ۲۰۹ ''اصبہان'' ج ۳ص ۱۱۷) ''

(دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۸۹۔۹۰)

دوسری مثال عرض کرتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ صبح کی نماز پڑھو اور ستارے صاف گھنے ہوئے ہوں۔ (موطأ امام مالک ج ۱ص ۶ ح ۶ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے مگر اس فاروقی حکم کے سراسر مخالف آلِ تقلید خوب روشنی کرکے صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔''

(ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ص ۹)

اس کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

''۲۔سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم دیا کہ صبح کی نماز پڑھو اور ستارے گھنے ہوں

[الاوسط لابن المنذر]

الجواب: یہ مجتہد آل حدیث کا ایسا بھاری جھوٹ ہے جس میں جہالت و دھوکہ کی آدھ و آدھ ملاوٹ بھی ہے۔ خوف خدا سے عاری اور خود اپنی قوم کا دشمن آل تقلید کا تمسخر کر کے یہ الزام لگاتا ہے۔ حالانکہ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحٰق وغیرہ اس روایت میں بیان کردہ وقت پر نماز فجر کو ادا کرنا افضل قرار دیتے ہیں۔ اپنے ساتھ قوم اوران پڑھوں کی عافیت برباد کرنے والے مجتہد باوا کو ذرا آنکھیں کھول کر ترمذی کا باب ماجاء فی التغلیس بالفجر پڑھنا چاہیے۔ مذکورہ مجتہدین کا مذہب اندھیرے میں پڑھنے کو افضل قرار دینا لکھا ہوا ہے [ترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی التغلیس بالفجر 136/1]'' (قافلہ...ج۳ شمارہ نمبر۱ ص ۱۷)

قارئین کرام! ابوالحسن دیوبندی کی پوری عبارت آپ کے سامنے ہے۔

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ اپنے مقصد میں سوفی صد کامیاب رہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ دیوبندیوں کا عمل خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے، کیونکہ آلِ دیوبند اپنی مساجد میں خوب روشنی کر کے صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ''بعض آلِ تقلید'' اور پالن گجراتی (جو کہ دیوبندی تھا) کی شروع میں صراحت کر کے لکھا تھا: ''اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے گیارہ حوالے پیشِ خدمت ہیں جن میں آل تقلید خلفائے راشدین کی صریح مخالفت کرتے ہیں''

اس صراحت کے باوجود ابوالحسن دیوبندی کا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے خلاف زبان درازی کرنا بڑا عجیب وغریب ہے۔آل دیوبند کے مشہور مناظر محمد منظور نعمانی دیوبندی نے علانیہ کہا تھا: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی چند علامتیں ایک حدیث میں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نزاعی باتوں میں بدزبانی کرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے ہر مسلمان بندے کو اس منافقانہ عادت سے بچائے'' (مناظرہ سلانوالی ص ۱۲۹)

اگر ابوالحسن دیوبندی کے خیال میں یہ بات جھوٹ ہے، کیونکہ خلیفۂ راشد کے حکم پر فلاں فلاں لوگ عمل کرتے ہیں تو پھر حافظ زبیر علی زئی نے یہ کیوں لکھا کہ آل تقلید خلفائے راشدین کی صریح مخالفت کرتے ہیں؟

تو عرض ہے کہ اگر آپ کے نزدیک اس طرح لکھنے سے یہ بات جھوٹ شمار ہوتی ہے تو اس طرح کے جھوٹ انوار خورشید دیوبندی نے بھی بول رکھے ہیں۔

انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے: ''لیکن حضور علیہ السلام کے عمل، آپ کے تاکیدی حکم اور عام صحابہ کے معمول کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں پڑھنا افضل ہے'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۴۶)

ابوالحسن دیوبندی کے اصول کے مطابق انوار خورشید کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ مقلدِ آل تقلید کا ایسا بھاری جھوٹ ہے جس میں جہالت و دھوکا کی آدھ و آدھ ملاوٹ بھی ہے۔خوف

خدا سے عاری اور خود اپنی قوم کا دشمن غیر مقلدین کا ''تنز'' (طنز) کر کے یہ الزام لگاتا ہے۔
حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ اس روایت میں بیان کردہ وقت پر نماز فجر کو ادا کرنا افضل قرار دیتے ہیں۔ اپنے ساتھ قوم اوران پڑھوں کی عافیت برباد کرنے والے مقلد باوا کو ذرا آنکھیں کھول کر ترمذی کا باب ماجاء فی التغلیس بالفجر پڑھنا چاہئے۔ مذکورہ مجتہدین کا مذہب اندھیرے میں پڑھنے کو افضل قرار دینا لکھا ہوا ہے۔ (ترمذی ابواب الصلاۃ باب ماجاء فی التغلیس بالفجر ۱/۱۳۶)

یہاں بھی ابوالحسن دیوبندی پورا زور صرف کرنے کے باوجود حنفیوں یا دیوبندیوں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی مطابقت ثابت کرنے سے قاصر ہی رہا ہے۔

تنبیہ: مثال نمبر۲ میں حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے موطأ امام مالک کا حوالہ دیا تھا جس کو ابوالحسن نے دانستہ یا دانستہ (الاوسط لابن المنذر) میں بدل دیا ہے۔ اور ایسی بات الیاس گھمن دیوبندی کے نزدیک جھوٹ شمار ہوتی ہے، کیونکہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب نورالعینین طبع جدید ۲۰۰۶ء (ص ۱۵۹۔۱۶۰) پر السنن الکبریٰ (ج ۲ ص ۷۳) کا حوالہ کمپوزر نے غلط لگا دیا تھا اور اس سے پہلے شائع شدہ تین نسخوں میں السنن الکبریٰ کا حوالہ موجود نہیں۔ کمپیوٹر پر کمپوزنگ کرتے ہوئے بعض اوقات کمپوزر ایک حوالے کو کاپی کر کے دوسری جگہ لگاتا ہے جس سے اس طرح کی غلطی واقع ہو جاتی ہے اور اس فن کے ماہر اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن گھمن مذکور نے ایسی غلطی کو حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا جھوٹ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے فرقہ اہلحدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ ص ۳۶۵)

تیسری مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر۳: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔

(الاوسط لابن المنذر ج ۱ ص ۴۶۲ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے مخالف آل تقلید کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے۔''

(ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۹)

جس کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

''۳۔حضرت علیؓ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔

الجواب: ایک قسم کی جرابیں وہ ہیں جو موزہ کی مانند ہیں۔ان کا حکم بالا تفاق وہی ہے جو موزہ کا ہے۔ دوسری قسم پتلی جرابوں کی ہے جو موزہ کی طرح نہیں ان پر مسح جائز نہیں زبیر علی زئی باوا مجتہد نے اس اثر سے جو جرابوں پر مسح کا حکم بیان کیا ہے کیا وہ موزوں کی مانند جرابیں تھیں یا سادہ پتلی جرابیں؟ کیا اس اثر میں یہ وضاحت کہیں موجود ہے کہ وہ پتلی جرابیں ہی تھیں۔اگر یہ صراحت باوا مجتہد دکھا دے تو یقیناً ہم مان لیں گے کہ باوا حضور اس مسئلہ میں متبع سنت ہے۔لیکن اگر نہ دکھا سکے اور دکھا بھی نہیں سکتے تو پھر یہ ان کی اپنی رائے ہے جسے انہوں نے حدیث کا درجہ دیا ہے۔دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ آل حدیث زبیر علی زئی پر بھی وہی فتوی صادر فرمائیں جو وہ اہل الرائے پر لگایا کرتے ہیں۔''

(قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ۱ ص ۱۷۔۱۸)

ابوالحسن دیوبندی نے گیارہ حوالوں میں سے دس کا جواب لکھا ہے مثال نمبر ۷ (جو آگے آرہی ہے) کا کوئی جواب ہی نہیں لکھا اور دس مثالوں کا جواب دیتے ہوئے صرف ایک کے متعلق لکھا ہے کہ ہم مان لیں گے، باقی جو پوری دس گواہیاں تھیں ان کے متعلق ماننے کا ارادہ بھی ظاہر نہیں کیا۔حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

''جورب: سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں۔

(درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۴، تصنیف محمد تقی عثمانی دیوبندی)

نیز دیکھئے البنایہ فی شرح الہدایہ للعینی (ج ۱ ص ۵۹۷)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خفین (موزوں) جوربین مجلدین اور جوربین منعلین پر مسح کے قائل تھے مگر جوربین (جرابوں) پر مسح کے قائل نہیں تھے۔

ملا مرغینانی لکھتے ہیں: '' و عنه أنه رجع إلٰى قولهما و عليه الفتوى ''

اور امام صاحب سے مروی ہے کہ انھوں نے صاحبین کے قول پر رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (الہدایہ ۱/۶۱)

صحیح احادیث، اجماع صحابہ، قول ابی حنیفہ اور مفتی بہ قول کے مقابلہ میں دیوبندی اور

بریلوی حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، اس دعویٰ پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔" [ماہنامہ شہادت اسلام آباد، جنوری ۲۰۰۱ء]

اب ابوالحسن دیوبندی کو چاہئے کہ جن جرابوں پر مسح جائز ہونے پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے رجوع کیا تھا، ان کے متعلق دیوبندیوں کی طرف سے لگائی جانے والی خودساختہ شرطیں امام ابوحنیفہ سے ثابت کرے۔ باقی رہا ابوالحسن کا یہ کہنا کہ ہم مان لیں گے تو عرض ہے کہ پہلے باقی دس آثار تو مان لو پھر ان شاء اللہ یہ بھی مان لو گے۔

تنبیہ: جرابوں پر مسح کے ناجائز ہونے کے متعلق آل دیوبند جن بعض علماء کے اقوال پیش کرتے ہیں، ان کا جواب یہ ہے کہ وہ اسی طرح غلط ہیں جس طرح تمھارے (خودساختہ اور بعض مسائل میں) امام کا قول رجوع سے پہلے غلط تھا اگر غلط نہ ہوتا تو رجوع کیوں کرتے؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قولِ مذکور کے مقابلے میں آلِ دیوبند یہ کہتے پھرتے ہیں کہ جرابوں پر مسح ناجائز ہے۔ یہ اگر خلیفۂ راشد کی مخالفت نہیں تو پھر کیا ہے؟

چوتھی مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

"مثال نمبر۴: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جس نے سجدہ (تلاوت) کیا تو صحیح کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے" اور عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۷۷)

جبکہ آل تقلید یہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔" (ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۹)

اس کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

"۴: سیدنا عمرؓ نے فرمایا جس نے سجدہ تلاوت کیا اس نے صحیح کیا اور جس نے سجدہ تلاوت نہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور عمرؓ نے سجدہ نہیں کیا [بخاری]

الجواب: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور ایک قول کے مطابق امام مالکؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے [المسائل والدلائل ص 138] اندازہ فرمایئے مقلدین میں سے شافعی و حنبلی اسی مذکورہ اثر کے مطابق عمل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود باواحضور کا فرمان عالی شان یہی ہے کہ آل تقلید سجدہ تلاوت کے باب میں حضرت عمرؓ کے اس ارشاد پر عمل نہیں کرتے۔ یہ ہیں گامن سچار کی گوہر فشانیاں"

(قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ا ص ۱۸)

قارئین کرام ! حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ''بعض آلِ تقلید'' اور پالن گجراتی (جو کہ دیو بندی ہے) کی صراحت کرنے کے بعد لکھا تھا کہ ''اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے گیارہ حوالے پیش خدمت ہیں جن میں آلِ تقلید نے خلفائے راشدین کی صریح مخالفت کی ہے:''

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی پوری عبارت جو کہ اس مضمون کے شروع میں نقل کر دی گئی ہے، دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

اتنی صراحت کے باوجود ابوالحسن دیو بندی کا شافعی و حنبلی کا رونا رونا بالکل فضول ہے بلکہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے مثال نمبر ۷ میں تو صراحت کر رکھی ہے کہ خلیفہ راشد کے اثر پر عمل کرنے کے بجائے دوسرے سجدے کو ''السجدۃ عند الشافعی'' کہتے ہیں !۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۰

پانچویں مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ۵: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وتر نماز کی طرح حتمی (واجب ضروری) نہیں ہے لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷ ح ۸۴۲ وسندہ حسن)

جبکہ آلِ تقلید کے نزدیک وتر واجب ہے۔'' (ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۰)

اس کے جواب میں ابوالحسن دیو بندی نے لکھا ہے:

''۵۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا وتر نماز کی طرح حتمی (واجب اور ضروری نہیں ہے) لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو [مسند احمد]

الجواب: وتر ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ) اور صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہیں [المسائل والدلائل ص 321] لہذا مقلدین کی اکثریت اس اثر پر عمل پیرا ہے۔

لیکن ناس ہو تعصب کا جس کو یہ مرض لگ جاتا ہے اس کی عقل پر پردے ڈال کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے۔ ورنہ آپ خود ہی بتائیں جھوٹ کہ جس کے بولنے والے پر خود اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اسے کون اپنی عادت بنا سکتا ہے۔ یہ تو زئی صاحب کا جگرا ہے جو جان بوجھ کر جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہے ہیں گویا تعصب کی آگ نے جہنم کی آگ کی فکر ہی ختم کر ڈالی ہے

(اعاذنا اللہ)'' (قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ۱ ص ۱۸۔۱۹)

اس کا جواب مثال نمبر ۴ اور مثال نمبر ۱ میں دوبارہ ملاحظہ فرمائیں مزید یہ کہ انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے: ''غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ وتر واجب نہیں ہیں''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۵۵۲)

ابوالحسن دیوبندی کے اصول کے مطابق انوار خورشید کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وتر ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ) اور صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہیں، لہٰذا مقلدین کی اکثریت کے نزدیک بھی وتر واجب نہیں، لیکن ناس ہو تعصب کا جس کو یہ مرض لگ جاتا ہے اس کی عقل پر پردے ڈال کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے ورنہ آپ خود ہی بتائیں جھوٹ کہ جس کے بولنے والے پر خود اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اسے کون اپنی عادت بنا سکتا ہے۔ یہ تو انوار خورشید (نعیم الدین دیوبندی) کا ''جگرا'' ہے جو جان بوجھ کر جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہے ہیں گویا تعصب کی آگ نے نارِ جہنم کی فکر ہی ختم کر ڈالی۔!

چھٹی مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ۶: عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے بسم اللہ جہراً (اونچی آواز سے) پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ح ۴۷۵۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، وسندہ صحیح)

جبکہ آلِ تقلید (نماز میں) کبھی اونچی آواز سے بسم اللہ نہیں پڑھتے۔''

(ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۰)

اس کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

''۶۔ عبدالرحمٰن بن ابزیؓ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ جہراً (اونچی آواز سے) پڑھی [مصنف ابن ابی شیبہ]

الجواب: مقلدین میں سے امام شافعیؒ نماز میں جہراً بسم اللہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے بسم اللہ جہراً پڑھنے کے بارے میں فرمایا وبہ یقول الشافعیؒ اسماعیل بن حماد کہ (بسم اللہ جہراً پڑھنا جائز ہے) اور یہی قول ہے امام شافعیؒ، اسماعیل بن حماد وغیرہ کا (باب من رای الجہر بسم اللہ 160/1)

شوافع کا جہراً نماز میں بسم اللہ پڑھنا نا قابل انکار حقیقت ہے مگر اس کے برعکس مجتہد آل حدیث کا پکا پیڈا جھوٹ ہی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں ''کہ آل تقلید (نماز میں) کبھی اونچی آواز سے بسم اللہ نہیں پڑھتے [الحدیث 10/53] حالانکہ یہ مزید جھوٹ ہے کیونکہ حنفی قاری تراویح میں کبھی جہراً بسم اللہ پڑھتا ہے۔'' (قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ا ص ۱۹)

ابوالحسن دیوبندی کی خدمت میں عرض ہے کہ تمھارے گامن سچار انوار خورشید نے حدیث اور اہلحدیث صفحہ ۲۹۷ پر بسم اللہ جہراً پڑھنے کو بزعم خود ''گنوار پن'' گنواروں کا فعل اور بدعت ثابت کیا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کون سا تمھارے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں جو انھیں معلوم ہو جاتا کہ کبھی کبھی تم منہ بولے بدعتی بن کے گنواروں جیسا فعل بھی کرتے ہو۔!

ساتویں مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ۷: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ الحج پڑھی تو اس میں دو سجدے کئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱ ح ۴۲۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۳۱۷ وسندہ صحیح)

جبکہ آلِ تقلید اس سورت میں صرف ایک سجدے کے قائل ہیں اور دوسرے سجدے کو ''السجدة عند الشافعي'' کہتے ہیں! '' (ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۰)

اس مثال کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے خاموشی ہی بہتر سمجھی، کیونکہ یہاں تو حافظ صاحب حفظہ اللہ نے مزید صراحت بھی کر رکھی ہے۔ حافظ صاحب حفظہ اللہ کا یہ لکھنا کہ ''جبکہ آلِ تقلید اس سورت میں صرف ایک سجدے کے قائل ہیں اور دوسرے سجدے کو ''السجدة عند الشافعي '' کہتے ہیں'' اس بات کی صریح دلیل ہے کہ خود ساختہ حنفی ہی حافظ صاحب حفظہ اللہ کے مخاطَب ہیں اور اس میں وہ سو فیصد کامیاب رہے ہیں اور ثابت ہو چکا ہے کہ آلِ دیوبند خلفائے راشدین کے مخالف ہیں۔

آٹھویں مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ۸: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی نے قراءت خلف الامام کے بارے میں

پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''اِقرأ بفاتحة الكتاب ''سورۂ فاتحہ پڑھ، اس نے کہا: اگر آپ قراءت بالجہر کر رہے ہوں تو؟ انھوں نے فرمایا: اگرچہ میں جہر سے پڑھ رہا ہوں تو بھی پڑھ۔ (المستدرک للحاکم ج ا ص ۲۳۰ وصححہ الحاکم والذہبی)

نیز دیکھئے کتاب الکواکب الدریہ (ص ۸۴ تا ۹۰)

اس فاروقی حکم کے سراسر خلاف آلِ تقلید یہ کہتے پھرتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔'' (ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۰)

اس کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے ایک نمبر کم کر کے لکھا ہے:

''۷۔ سیدنا عمرؓ سے ایک تابعی نے قرات خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اقراء بفاتحہ الکتاب سورۃ فاتحہ پڑھ الخ۔ [مستدرک للحاکم]

الجواب: قرات خلف الامام کے باب امام شافعیؒ وامام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ امام ترمذیؒ نے امام کے پیچھے قرات کو جائز بتانے والوں کے بارے میں فرمایا وھو قول مالک ابن انسؒ وابن المبارکؒ والشافعیؒ واحمدؒ واسحاقؒ یرون القراۃ خلف الام۔ کہ امام مالک بن انس، ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اسحاقؒ امام کے پیچھے قرات کو جائز بتاتے ہیں [ترمذی 178/1]''

(قافلہ... ج ۳ شمارہ نمبر ا ص ۱۹۔۲۰)

قارئین کرام! اس مرتبہ بھی ابوالحسن دیوبندی کی پوری عبارت آپ کے سامنے ہے اور حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے بھی ''بعض آل تقلید'' (یعنی آلِ دیوبند) اور پالن گجراتی کی صراحت کر رکھی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ آل تقلید سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ حکم کو تسلیم نہیں کرتے اور یہی حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ بتانا چاہتے تھے۔

اس کے بعد نویں مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ۹: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو عورت بھی ولی کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۱۱، وقال: هذا إسناده صحيح)

جبکہ آل تقلید یہ کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے۔'' (ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۰)

اس کے جواب میں بھی ابوالحسن دیوبندی نے ایک نمبر کم کر کے لکھا ہے:

''۸: سیدنا علیؓ نے فرمایا جو عورت ولی کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے [السنن الکبریٰ]
الجواب: امام ترمذیؒ اس مسئلہ کو (کے ولی کی اجازت نہ ہو تو عورت کا نکاح باطل ہے) لکھنے کے بعد فرماتے ہیں وبھذا یقول سفیان ثوری والاوزاعی و مالک و عبداللہ ابن المبارک والشافعی واحمد واسحاق (ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء لا نکاح الا بولی 336/1] معلوم ہوا کہ شوافع و حنبلی حضرات کا مذہب اس مذکورہ اثر کے مطابق ہے۔'' (قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ا ص ۲۰)

قارئین کرام! ابوالحسن دیوبندی کی پوری عبارت آپ کے سامنے ہے جس سے روز روشن کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کے اثر کی دیوبندی مخالفت کرتے ہیں۔

اس کے بعد دسویں مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ۱۰: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ایک رکعت وتر پڑھا اور فرمایا:

''هي وتري'' یہ میرا وتر ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵ وسندہ حسن)

جبکہ آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ ایک رکعت وتر جائز نہیں ہے۔''

(ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۰۔۱۱)

اس کے جواب میں ایک نمبر کم کر کے ابوالحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

''۹: سیدنا عثمانؓ نے صرف ایک وتر پڑھا اور فرمایا ھی وتری یہ میرا وتر ہے۔ [السنن الکبری]
الجواب: مقلدین میں سے امام شافعیؒ وغیرہ ایک وتر کو جائز بتاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو [ترمذی باب ماجاء فی الوتر برکعۃ 217/1]'' (قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ا ص ۲۰)

اس مثال سے بھی ثابت ہو گیا ہے کہ آلِ دیوبند خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کے اثر کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہاں تو ابوالحسن دیوبندی نے تسلیم کر لیا کہ ''مقلدین میں سے'' امام شافعیؒ وغیرہ ایک وتر کو جائز بتاتے ہیں، لیکن دوسری طرف ماسٹر امین اوکاڑوی (کہ جس کی یاد میں قافلہ حق شائع ہوتا ہے) نے ایک جھوٹی روایت کی بنا پر لکھا ہے: ''سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔''

(تجلیات صفدر ج ۲ ص ۵۶۴)

ابوالحسن دیوبندی نے جھوٹ کی گردان کرتے کرتے خود اپنے مربی و محسن ماسٹر اوکاڑوی

کو ہی جھٹلا دیا۔

کیا امام شافعی رحمہ اللہ کو ماسٹر امین اوکاڑوی نے مسلمانوں کے اجماع سے خارج قرار دیا تھا؟

رہا ابوالحسن دیوبندی کا یہ دعویٰ کہ ''امام شافعی مقلدین میں سے ہیں'' بہت بڑا جھوٹ ہے، جس پر اسے جھوٹ کا ''گوبلز'' انعام ملنا چاہئے۔ !

اس کے بعد گیارویں مثال کے طور پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''مثال نمبر ۱۱: سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں جگہ رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۲ ص ۷۳ وسندہ صحیح)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رواته ثقات ''اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (ج۲ص۷۳) '' (ماہنامہ الحدیث حضرو ۵۳ ص ۱۱)

اس کے جواب میں ابوالحسن دیوبندی نے ایک نمبر کم کر کے لکھا ہے:

''۱۰۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں جگہ رفع یدین کرتے تھے [السنن الکبریٰ]

مقلدین میں سے شافعی حنبلی حضرات کا عمل اسی اثر کے مطابق ہے۔ دیکھئے [ترمذی باب رفع الیدین عندالرکوع 163/1] '' (قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ۱ ص ۲۰)

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا دیوبندیوں کا بھی مذکورہ رفع یدین پر عمل ہے؟

ذرا اپنے لوگوں کے سامنے اس پر عمل کر کے تو دکھائیں!؟

اس مثال میں بھی حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی بات سچ ثابت ہوئی کہ خلیفۂ راشد رضی اللہ عنہ کی دیوبندی مخالفت کرتے ہیں۔

شافعی و حنبلی تو حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے مخاطب ہی نہیں تھے جیسا کہ انھوں نے ''بعض آلِ تقلید'' اور پالن گجراتی (دیوبندی) کی صراحت کے بعد لکھا تھا کہ ''اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے گیارہ حوالے پیش خدمت ہیں جن میں آلِ تقلید نے خلفائے

راشدین کی صریح مخالفت کی ہے''

آخر میں ابوالحسن دیوبندی نے حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے متعلق لکھا ہے:

''محترم قارئین کرام! مجتہد آل حدیث، مجتہد آل محمد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گیارہ مثالوں میں ہر مثال کے ساتھ کم از کم ایک جھوٹ ضرور ہی لکھا ہے۔ آل تقلید کا تنزکر کے چند اپنے جیسوں کو خوش کرنے کے لئے ایسے پھکڑ تولے کہ سچائی کا سر شرم سے جھکا دیا گیا۔ کیا ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا شافعی حنبلی مالکی حضرات تقلید کو شرک بتاتے ہیں۔ ذرا وضاحت فرمائیں کہ کس شافعی نے امام شافعی کی تقلید کو یا حنبلی نے ابن حنبل اور مالکی نے امام مالک کی تقلید کو حرام اور شرک قرار دیا ہے۔ اگر نہیں تو آنجناب نے اتنے سارے جھوٹ بول کر کتنا ثواب کمایا ہے۔ ذرا یہ تو فرمایئے کہ کس قرآنی آیت یا حدیث رسول ﷺ اور یا پھر اجماع ثابت سے آپ نے مقلدین کے خلاف جھوٹ بولنے کا کار ثواب اور حصول جنت کا ذریعہ سنبھالا ہے۔ کچھ تو بولو! کیا ہوا خاموش کیوں ہو۔؟؟؟''

(قافلہ...ج ۳ شمارہ نمبر ا ص ۲۱)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ گیارہ حوالوں کا تو ابوالحسن دیوبندی نے جواب ہی نہیں دیا اور یہ حقیقت بھی ان شاء اللہ قارئین پر واضح ہو گئی ہو گی کہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے نہیں بلکہ خود ابوالحسن نے جھوٹ بولے ہیں۔ تقلید کے حرام اور شرک ہونے کے لئے شافعی، حنبلی مالکی حضرات کے اقوال کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ تقلید کی ایک قسم کو آپ کے اکابر نے بھی حرام اور شرک قرار دے رکھا ہے، اگر یقین نہیں تو مثال نمبر ا کو دوبارہ پڑھ لیں۔

باقی ابوالحسن (؟) کا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے متعلق یہ کہنا کہ ''کچھ تو بولو! کیا ہوا خاموش کیوں ہو۔؟؟؟'' اس کے جواب میں عرض ہے: ہاں ایک بات یاد رکھنا اپنا اصلی نام ضرور بتانا کیونکہ تمھارے پیشوا ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''پہلی تحقیق جناب کی یہ ہے کہ اپنا نام چھپا لیا۔ کیا والدین نے آپ کا نام یہی رکھا تھا.....موت پیدائش کے رجسٹر اور سکول کے سرٹیفکیٹ پر آپ کا یہی نام ہے تو فوٹو سٹیٹ مصدقہ ارسال فرمائیں ورنہ قرآن پاک میں وسوسے ڈال کر چھپ جانے والے کو محمدی نہیں خناس کہتا ہے'' (تجلیات صفدر ج ۷ ص ۲۵۹)

اس اوکاڑوی فتوے کے مصداق بن کر خاموش کیوں ہو گئے ہو؟!! کچھ تو بولو!

حافظ زبیر علی زئی

امام مالک اور نماز میں فرض، سنت ونفل کا مسئلہ

حافظ ذہبی نے فرمایا:" قال أبو عبد اللّٰہ محمد بن إبراهيم البوشنجي :سمعت عبد اللّٰہ بن عمر بن الرماح قال: دخلت علٰی مالك فقلت : يا أبا عبد اللّٰہ ما في الصلوة من فريضة و ما فيها من سنة ؟ أو قال نافلة ؟ فقال مالك. كلام الزنادقة أخرجوه ."

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم (بن سعید بن عبدالرحمٰن) البوشنجی (ثقہ حافظ فقیہ) نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر بن (میمون بن) الرماح (بلخ کے قاضی) سے سنا، انھوں نے کہا: میں (امام) مالک (بن انس المدنی) کے پاس گیا تو پوچھا: اے ابوعبداللہ! نماز میں کیا فرض ہیں اور کیا سنت ہیں؟ یا کہا: کیا نفل ہیں؟ تو (امام) مالک نے فرمایا: زندیقوں کا کلام ہے۔ اسے باہر نکال دو۔ (سیر اعلام النبلاء ج۸ ص۱۱۳۔۱۱۴، تاریخ الاسلام للذہبی ۱۱/۳۲۷)

بلخ اور نیشاپور کے قاضی عبداللہ بن عمر بن الرماح رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۴ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:" و كان صاحب سنة و صدع بالحق، و ثقه الذهلي ، و امتنع من القول بخلق القرآن و كفر الجهمية " وہ صاحبِ سنت (سنی) اور حق بیان کرنے والے تھے، (امام) ذہلی نے انھیں ثقہ قرار دیا، انھوں نے قرآن کو مخلوق کہنے سے انکار کردیا تھا اور جہمیہ (فرقے) کو کافر کہا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۱/۱۳)

" قال محمد بن يحيى الذهلي : هو ثقة " محمد بن یحییٰ الذہلی نے کہا: وہ ثقہ ہیں۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۱۷/۲۲۰)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا:" مستقيم الحديث إذا حدّث عن الثقات ... و كان مرجئًا" وہ جب ثقہ راویوں سے حدیث بیان کرتے تو مستقیم الحدیث (ثقہ) تھے ...اور وہ مرجی تھے۔ (ج۸ ص۳۵۷)

یاد رہے کہ جمہور کی توثیق کے بعد مرجی والی جرح مردود ہے۔

محدث خلیلی نے کہا:" قال ابن معین :ھو من الثقات ... سمع مالکًا و سأله عن مسائل فقال: ھذا کلام الزنادقة ، فأخرجه من المجلس ، ثم شفّع إلیه فأکرمه و روی له و رضیه الحفاظ " ابن معین نے کہا: وہ ثقہ راویوں میں سے ہیں...انھوں نے مالک سے سنا اور مسائل کے بارے میں پوچھا تو انھوں (امام مالک) نے فرمایا: یہ زندیقوں کا کلام ہے، پھر انھیں اپنی مجلس سے نکال دیا۔اس کے بعد اُن کے سامنے ان کی سفارش کی گئی تو انھوں (مالک) نے ان کی عزت کی اور ان کے سامنے روایتیں بیان کیں،اور حفاظِ حدیث اُن پر راضی ہوئے۔ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۹۴۳/۳)

عبدالقادر قرشی حنفی نے انھیں حنفی علماء میں ذکر کیا۔

دیکھئے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ (ج۱ص۲۷۹ت ۷۴۳)

محمد بن ابراہیم البوشنجی رحمہ اللہ صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ حافظ فقیہ تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۵۶۹۳)

آپ ۲۹۰ھ یا ۲۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

یہ واقعہ امام بوشنجی سے شیخ الاسلام امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۴ھ) نے اپنی کتاب "مناقب مالک" میں بیان کیا ہے۔

دیکھئے جامع العلوم والحکم لابن رجب (ص ۲۷۵ حدیث ۳۰)

آپ ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۱۰ص ۱۲۲ت ۵۲۴۸)

آپ بوشنجی کے زبردست معاصر ہیں اور آپ کا مدلس ہونا ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت اتصال پر محمول ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔ والحمدللہ

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ نماز کے ہر مسئلے کے بارے میں فرض، سنت اور واجب وغیرہ کا سوال کرنا اہلِ سنت کا منہج نہیں بلکہ اہلِ بدعت کا طریقہ ہے۔ نیز دیکھئے مسائل امام احمد و اسحاق (روایۃ الکوسج ۱۳۲/۱۔۱۳۳ت ۱۸۹) اور الحدیث:۱۳ص ۴۹ (۱۴/ اگست ۲۰۱۰ء)

حافظ زبیر علی زئی

امام ابوالحسن العجلی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح بن مسلم بن صالح العجلی الکوفی الاطرابلسی.

ولادت: ۱۸۲ھ بمقام کوفہ (العراق)

اساتذہ: شبابہ بن سوار، محمد بن جعفر عرف غندر، حسین بن علی الجعفی، ابوداود عمر بن سعد بن عبید الحَفَری، ابو عامر عبدالملک بن عمرو العقدی القیسی، محمد بن عبید الطنافسی، یعلیٰ بن عبید الطنافسی اور محمد بن یوسف الفریابی وغیرہم رحمہم اللہ.

تلامذہ: صالح بن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی، سعید بن عثمان بن سعید التجیبی الاندلسی، محمد بن فطیس بن واصل الغافقی الالبیری، ابوعثمان سعید بن خمیر بن عبدالرحمٰن القرطبی، ابومحمد قاسم بن محمد بن قاسم بن محمد بن سیار القرطبی البیانی صاحب کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین، ابوسعید عثمان بن جریر بن حمید الکلابی البیری اور عبداللہ بن محمد بن ابی الولید القرطبی وغیرہم رحمہم اللہ.

تصانیف: معرفة الثقات من رجال أهل العلم والحديث و من الضعفاء و ذكر مذاهبهم و أخبارهم يعني كتاب التاريخ أو كتاب الثقات ، كتاب الجرح والتعديل ، سوالات أبي مسلم صالح بن أحمد العجلي لأبيه / ولعله كله كتاب واحد والله أعلم .

توثیق اور علمی مقام: امام عجلی کے ثقہ اور جلیل القدر صحیح العقیدہ عالم ہونے پر اجماع ہے۔

۱: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے احمد بن عبداللہ بن صالح مسلم العجلی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''هو ثقة ابن ثقة ابن ثقة '' وہ ثقہ ہیں، اُن کے والد ثقہ ہیں، اُن کے دادا ثقہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ۲۱۵/۴ ت ۱۹۰۶، وسندہ صحیح)

۲: امام عباس بن محمد الدوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''إنا كنا نعده مثل أحمد بن حنبل و يحيى بن معين ''ہم انھیں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کی طرح شمار کرتے یعنی سمجھتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۲۱۴/۴ وسندہ صحیح)

۳: ابوالحسن علی بن احمد بن زکریا بن الخصیب الاطرابلسی نے صالح بن احمد بن عبداللہ العجلی کے بارے میں فرمایا: ''هو ثقة ابن ثقة ابن ثقة ''وہ ثقہ ہیں، ثقہ کے بیٹے ہیں، اُن کے دادا ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۲۱۴/۴ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: ابن حنبل اور ابن معین دونوں اُن سے (روایات وغیرہ) لیتے تھے۔

(تاریخ بغداد ۲۱۴/۴۔۲۱۵ وسندہ صحیح)

٤: ولید بن بکر الاندلسی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''كان أبو الحسن أحمد بن عبدالله بن صالح الكوفي من أئمة أصحاب الحديث الحفاظ المتقنين من ذوي الورع والزهد. '' ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح الکوفی اصحاب الحدیث کے اماموں، زہد اور پرہیزگاری والے ثقہ متقن حفاظ میں سے تھے۔ (تاریخ بغداد ۲۱۴/۴ وسندہ صحیح)

۵: خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''و كان ديّنًا صالحًا ''وہ نیک (اور) دیندار تھے۔ (تاریخ بغداد ۲۱۴/۴)

٦: مالک بن عیسیٰ القفصی المغربی رحمہ اللہ نے انھیں حدیث کا سب سے بڑا عالم قرار دیا۔ (تاریخ بغداد ۲۱۴/۴ وسندہ صحیح)

۷: شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن الجزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) نے فرمایا:

''نزيل طرابلس المغرب، إمام علامة مشهور ثقة، روى القراءة عن أبيه ''وہ مغرب کے طرابلس میں آباد ہو گئے تھے، امام علامہ مشہور ثقہ تھے، انھوں نے اپنے والد سے قراءت روایت کی۔ (غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ۷۲/۱ ت ۳۲۳)

۸: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''الإمام الحافظ القدوة '' (تذکرۃ الحفاظ ۵۶۰/۲ ت ۵۸۲)

اور فرمایا: ''الإمام الحافظ الأوحد الزاهد ''(سیر اعلام النبلاء ۵۰۵/۱۲)

حافظ ذہبی نے امام عجلی کی کتاب الجرح والتعدیل (یعنی التاریخ / الثقات) کے بارے

میں فرمایا: ''**وله مصنّف مفید فی الجرح و التعدیل، طالعته و علقت منه فوائد تدل علٰی تبحره بالصنعة و سعة حفظه** ''اور جرح وتعدیل میں اُن کی مفید کتاب ہے، میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے فوائد لکھے ہیں جو اس فن میں اُن کی بہت زیادہ مہارت اور وسعتِ حفظ پر دلالت کرتے ہیں۔ (النبلاء ۱۲/ ۵۰۶)

۹: ابن ناصرالدین الدمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۸۴۲ھ) نے فرمایا:

''**و کان إمامًا حافظًا قدوةً من المتقنین و کان یُعدّ کأحمد بن حنبل و یحیی ابن معین و کتابه فی الجرح و التعدیل یدلّ علٰی سعة حفظه و قوة باعه الطویل .** ''اور آپ امام حافظ مقتدا تھے، متقنین (ثقہ وثبت راویوں) میں سے تھے، آپ کو احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کی طرح سمجھا جاتا تھا، جرح وتعدیل میں آپ کی کتاب آپ کی وسعتِ حفظ اور بہت بڑی مہارت کی دلیل ہے۔ (التبیان لبدیعۃ البیان ۲/ ۶۳ ۷)

۱۰: صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی نے جرح وتعدیل میں امام عجلی کی کتاب کے بارے میں کہا: اور یہ کتاب مفید ہے، اُن کی امامت اور وسعتِ حافظہ پر دلالت کرتی ہے۔

(الوافی بالوفیات ۷/ ۵۱ ت ۶۷۴)

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے طبقات الحفاظ للسیوطی (ص ۲۴۶ ت ۵۴۷) وغیرہ

تنبیہ: ہمارے علم کے مطابق چودھویں صدی ہجری سے پہلے کسی عالم نے بھی امام عجلی کو متساہل نہیں کہا بلکہ سب کا اُن کی توثیق وتعریف پر اجماع ہے اور یہ بھی باحوالہ بیان کر دیا گیا ہے کہ بڑے بڑے علماء انھیں امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین رحمہما اللہ جیسا بڑا امام مانتے تھے، لہٰذا انھیں علامہ معلّمی یمانی رحمہ اللہ اور اُن کے پیروکاروں کا متساہل قرار دینا غلط، باطل اور مردود ہے۔

وفات: آپ ۲۶۱ھ میں اطرابلس (المغرب یعنی مراکش) میں فوت ہوئے اور آپ کی قبر وہاں پر ساحل کے ساتھ ہے اور آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے صالح کی قبر ہے۔ رحمہما اللہ

(۲۱/ اپریل ۲۰۱۰ء)

حافظ زبیر علی زئی

کلید التحقیق: فضائلِ ابی حنیفہ کی بعض کتابوں پر تحقیقی نظر

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی رسولہ الأمین محمد ﷺ خاتم النبیین و رضي اللّٰہ عن أصحابہ أجمعین و رحمۃ اللّٰہ علٰی من تبعھم بإحسان :السلف الصالحین ، أما بعد:

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو یا صحابی کا اثر ،سلف صالحین کی روایات ہوں یا کسی شخص کا منقول قول و فعل ہو، اہلِ سنت کے نزدیک ہر روایت و منقول کے لئے متصل اور مقبول (صحیح وحسن) سند کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ مشہور ثقہ امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:" الإسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء " سندیں (بیان کرنا) دین میں سے ہے اور اگر سندیں نہ ہوتیں تو ہر آدمی جو چاہتا کہہ دیتا۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ا ص ۱۲، ترقیم دارالسلام: ۳۲ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا:" لا تنظروا إلی الحدیث ولکن انظروا إلی الإسناد فإن صح الإسناد و إلا فلا تغترّ بالحدیث إذا لم یصح الإسناد . " حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے اور) اگر سند صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۲/۱۰۲ ح ۱۳۰۱، وسندہ صحیح)

ضعیف و مردود اور بے سند روایات کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حبان نے فرمایا:" لأن ما روی الضعیف و ما لم یرو :فی الحکم سیان " کیونکہ جو روایت ضعیف بیان کرے اور جس کی روایت ہی نہ ہو: دونوں حکم میں برابر ہیں۔

(المجروحین لابن حبان ج ا ص ۳۲۸، دوسرا نسخہ ج ا ص ۴۱۲ ترجمۃ سعید بن زیاد)

اہلِ سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مقام ہے اور صحیحین کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح ہیں، کیونکہ انھیں اُمت کی طرف سے تلقی بالقبول

حاصل ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۱۲۴۔۱۲۸، نوع اول) اور مقدمہ ابن الصلاح (مع التقیید والایضاح ص ۴۱۔۴۲، دوسرا نسخہ ص ۹۷، نوع اول)

صحیحین کے علاوہ ہر کتاب کی روایت اور حوالہ صرف وہی مقبول ہے جس میں تین شرطیں ہوں: ① صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق عند جمہور المحدثین ہو۔
② کتابِ مذکور اپنے مصنف (صاحبِ کتاب) سے ثابت ہو۔ ③ صاحبِ کتاب سے آخری راوی یا قائل وفاعل تک سند متصل ومقبول (صحیح یا حسن) ہو۔

ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو حوالہ بے کار ہے اور روایتِ مذکورہ مردود ہے۔

اس تمہید کے بعد فضائلِ ابی حنیفہ قسم کی بعض کتابوں اور بعض فصول وابواب کا تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

۱) **فضائل أبي حنیفة وأخبارہ و مناقبه** کے نام سے ایک کتاب مکتبہ امدادیہ (مکہ مکرمہ) سے شائع کی گئی ہے، جسے ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن الحارث السعدی یعنی ابن ابی العوام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اسے قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی (متوفی ۴۵۴ھ) نے درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

" أنبأ القاضي أبو العباس أحمد بن محمد بن عبداللّٰہ بن أحمد بن یحیی بن الحارث السعدي المعروف بابن أبی العوام قال: حدثني أبو عبداللّٰہ محمد ابن عبد اللّٰہ بن محمد قال: حدثني أبي أبو القاسم عبد اللّٰہ بن محمد بن أحمد بجمیع ھذا الکتاب قال:... "

(فضائل ابی حنیفہ ص ۳۶۔۳۷، مخطوط مصور کی تصویر کے لئے دیکھئے فضائل ابی حنیفہ ص ۲۹)

اس کتاب کے مذکورہ راویوں کے بارے میں مختصر اور جامع تحقیق درج ذیل ہے:

۱: ابو العباس احمد بن محمد بن عبداللہ السعدی کا ذکر، اُس کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے عبدالقادر قرشی حنفی نے کرتے ہوئے لکھا ہے:

" یأتي أبوہ و عبد اللّٰہ جدہ: من بیت العلماء الفضلاء " اس کے باپ (محمد بن

عبداللہ) اور دادا (عبداللہ بن محمد) کا ذکر (آگے) آئے گا: علماء فضلاء کے گھر میں سے۔

(الجواہر المضیۃ ج ۱ص ۱۰۶، ت ۲۱۱)

عرض ہے کہ علماء وفضلاء کے گھر میں سے ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شخص ثقہ یا صدوق ہے، مثلاً ظفر احمد تھانوی دیوبندی کا بیٹا عمر احمد عثمانی منکرِ حدیث تھا اور اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کا بیٹا حبیب الرحمٰن کاندھلوی بھی منکرِ حدیث اور ساقط العدالت تھا۔

عبدالقادر قرشی نے کسی مجہول سے نقل کیا ہے کہ اس نے حاکم بامراللہ (رافضی زندیق) کے سامنے ابن ابی العوام کے بارے میں کہا: " ثقة صدوق " (الجواہر المضیۃ ج ۱ص ۱۰۷)

عرض ہے کہ اس کا قائل مجہول ہے، لہٰذا یہ توثیق مردود ہے۔

عبدالقادر قرشی نے بتایا کہ (اسماعیلی رافضی حکمران) حاکم بامراللہ نے اسے مصر کا قاضی بنایا تھا۔ (الجواہر المضیۃ ج ۱ص ۱۰۷)

عرض ہے کہ یہ توثیق نہیں بلکہ زبردست جرح ہے۔

حاکم بامراللہ بادشاہ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: " **العبيدي المصري الرافضي بل الإسماعيلي الزنديق المدعي الربوبية** " عبیدی مصری رافضی بلکہ اسماعیلی زندیق، وہ رب ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ص ۱۷۳)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا: " **و كان شيطانًا مريدًا جبارًا عنيدًا ، كثير التلون سفاكًا للدماء ، خبيث النحلة ... كان فرعون زمانه** " وہ سرکش شیطان، متکبر حق کا مخالف ہٹ دھرم، بڑے رنگ بدلنے والا، سفاکی سے (بے گناہوں کے) خون بہانے والا، خبیث عقیدے والا... اپنے زمانے کا فرعون تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ص ۱۷۴)

ابن ابی العوام کی توثیق کسی قابلِ اعتماد محدث نے نہیں کی اور فرعونِ وقت، شیطان مَرید اور کافر زندیق کے قاضی ہونے کی رُو سے وہ مجروح اور ساقط العدالت ہے۔

۲: فرعونِ وقت کے قاضی ابن ابی العوام کا باپ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بالکل مجہول ہے۔ کسی کتاب میں اُس کی کوئی توثیق موجود نہیں بلکہ مزے کی بات یہ ہے کہ

عبدالقادر قرشی نے ابن ابی العوام کے ذکر میں یہ وعدہ کیا کہ وہ آگے اُس کا ذکر کریں گے مگر انھوں نے اس وعدے کی خلاف ورزی کی اور آگے جا کر اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اگر قافلۂ باطل کے کسی تنخواہ خوار کو اس شخص کے حالات مل جائیں تو مکتبۃ الحدیث حضرو (ضلع اٹک) کے پتے پر روانہ کرے اور اگر حالات نہ مل سکیں تو... !!

۳: ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن الحارث کو عبدالقادر قرشی نے مختصراً ذکر کیا مگر کوئی توثیق نقل نہیں کی۔ (دیکھئے الجواہر المضیۃ ج ا ص ۲۸۲ ت ۱۵۰)

یعنی یہ شخص بھی مجہول ہے۔ نیز دیکھئے یمن کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی المکی رحمہ اللہ کی کتاب: طلیعۃ التنکیل (ص ۲۷۔۲۸) اور التنکیل (ج ا ص ۲۷۔۲۸)

اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ''فضائل ابی حنیفہ واخبارہ ومناقبہ'' نامی کتاب غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لہٰذا اس کتاب کا کوئی حوالہ بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے اِلا یہ کہ کسی دوسری مستند کتاب میں صحیح سند سے ثابت ہو۔

۲) ابوالمؤید موفق بن احمد المکی الخوارزمی اَخطب خوارزم (متوفی ۵۶۸ھ) کی کتاب:

''مناقب الامام ابی حنیفہ'' مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ، کوئٹہ سے شائع شدہ ہے۔

اس کے مصنف موفق بن احمد کی کوئی توثیق کسی معتبر محدّث سے ثابت نہیں ہے بلکہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی نے اُس کی روایات پر جرح کی ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

کردری حنفی نے موفق بن احمد کے بارے میں لکھا ہے: ''**المعتزلي القائل بتفضيل علي علی کل الصحابة**'' یعنی وہ معتزلی تھا، تمام صحابہ پر (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا قائل تھا۔ (مناقب الکردری ج ا ص ۸۸)

یعنی یہ شخص رافضی اور معتزلی تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اُس نے ایک کتاب لکھی، جس میں موضوع (جھوٹی) روایات ہیں۔

دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ لابن تیمیہ (۱۰/۳) اور المنتقیٰ من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲)

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ وہ علمائے حدیث میں سے نہیں اور نہ اس فن میں اس کی

طرف کبھی رجوع کیا جاتا ہے۔(منہاج السنہ ۱۰/۳)
حافظ ذہبی نے فرمایا: اس کی کتاب فضائل علی میں نے دیکھی ہے، اس میں انتہائی کمزور روایتیں بہت زیادہ ہیں۔ (تاریخ الاسلام ۳۹/۳۲۷)
لہٰذا ایسے شخص کو (معتزلیوں کا) علامہ، ادیب فصیح اور مفوّہ کہہ دینے سے اُس کی توثیق ثابت نہیں ہو جاتی۔ نیز دیکھئے المنتقیٰ من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲، دوسرا نسخہ ص ۱۵۳)
مختصراً عرض ہے کہ موفق بن احمد معتزلی اور رافضی ہونے کی وجہ سے مجروح ہے، لہٰذا اس کی ساری کتاب نا قابلِ اعتماد ہے۔

۳) محمد بن محمد بن شہاب الکردری الحنفی صاحب البزازیہ (متوفی ۸۲۷ھ) کی کتاب مناقب ابی حنیفہ بے سند ہونے کی وجہ سے نا قابلِ اعتماد ہے۔ اس کتاب میں محدثین کے طرز پر مکمل سندیں لکھنے کا التزام نہیں کیا گیا بلکہ بغیر سند کے کرمانی، مرغینانی اور سلامی وغیرہم سے بے سروپا روایتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

۴) محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی الشافعی (متوفی ۹۴۲ھ) کی کتاب: "**عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان**" کو مکتبۃ الایمان. السمانیہ (المدینۃ المنورۃ) سے شائع کیا گیا ہے اور یہ ساری کتاب متصل اسانید کے بغیر یعنی بغیر سند کے ہے، لہٰذا نا قابلِ اعتماد ہے اور مردود ہے۔ دیکھئے فقرہ: ۵
تنبیہ: اس نا قابلِ اعتماد کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی چھپا ہوا ہے۔!!

۵) احمد بن حجر الہیتمی المکی (متوفی ۹۷۳ھ) کی کتاب: "**الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان**" دار الکتب العلمیہ بیروت (لبنان) سے مطبوع ہے اور ساری کی ساری بے سند ہونے کی وجہ سے نا قابلِ اعتماد اور مردود ہے۔
سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: "اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔"
(احسن الکلام ج ۱ ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۰۳)

غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے: ''اور جو روایت بلا سند مذکور ہو وہ حجت نہیں ہے۔''

(شرح صحیح مسلم ج ا ص ۱۱۵ سطر نمبر ۲)

عرض ہے کہ جب بے سند اور بلا سند بات حجت نہیں تو پھر آپ یہ بے سند کتابیں کیوں اُٹھائے پھرتے ہیں اور کیوں ان کے حوالے پیش کرتے ہیں؟

۶) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب:

'' **تبييض الصحيفة في مناقب الإمام أبي حنيفة** '' بھی بے سند کتابوں میں سے ہے، لہٰذا اس کا ہر حوالہ نا قابلِ اعتماد اور مردود ہے اِلا یہ کہ دوسری کسی مستند کتاب میں مقبول سند سے ثابت ہو جائے۔

۷) حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا رسالہ '' **مناقب الإمام أبي حنيفة و صاحبيه أبي يوسف و محمد بن الحسن** '' اور ان کی دوسری کتابوں مثلاً سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف اور ابن فرقد شیبانی وغیرہم کے بارے میں روایات بے سند ہونے کی وجہ سے نا قابلِ اعتماد ہیں، لہٰذا اصل کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۸) حافظ ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن المزی الشامی رحمہ اللہ کی کتاب تہذیب الکمال میں امام ابوحنیفہ کے حالات میں بعض روایات بلا سند ہیں اور بعض کی سندیں موجود ہیں، لہٰذا کتابِ مذکور کے ہر قول اور ہر روایت کی تحقیق ضروری ہے اور بغیر تحقیق کے اس کتاب کا حوالہ دینا مرجوح اور نا قابلِ اعتماد ہے۔ مثلاً اس کتاب میں امام صاحب کے بارے میں '' **رأى أنس بن مالك** '' والا قول بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: **الأسانيد الصحيحة في أخبار الإمام أبي حنيفة** (قلمی ص ۵۴ تا ص ۸۰)

۹) حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب تہذیب التہذیب میں امام ابوحنیفہ کے بارے میں ساری روایات بے سند ہیں، لہٰذا کتابِ مذکور کے ہر قول اور ہر حوالے کی تحقیق ضروری ہے، اگر دوسری کسی باسند کتاب میں روایتِ مذکورہ صحیح ثابت ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس

کتاب کا بغیر تحقیق کے نرا حوالہ دے دینا غلط اور نا قابلِ اعتماد ہے۔

۱۰) ابوعبداللہ حسین بن علی الصیمری (متوفی ۴۳۶ھ) کی کتاب: "أخبار أبي حنيفة و أصحابه" مکتبہ عزیزیہ ملتان سے مطبوع ہے۔

صیمری سچے تھے اور کتابِ مذکور میں سندیں موجود ہیں، لیکن اس کتاب کی عام روایات ضعیف، مجروح اور کذاب راویوں سے مروی ہیں مثلاً:

۱: احمد بن عطیہ الحمانی (کذاب)

دیکھئے الکامل لابن عدی (۲۰۲/۱، دوسرا نسخہ ۳۲۷/۱۔۳۲۸) اور الحدیث (عدد ۲۷ ص ۱۲۔۱۴)

۲: شاذان المروزی (کذاب)

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۴۸۰/۸ ت ۲۱۹۹)

۳: ابوالحسن علی بن الحسن الرازی (ضعیف)

دیکھئے تاریخ بغداد (۳۸۸/۱۱۔۳۸۹ ت ۶۲۶۱)

۴: ابوعبیداللہ محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی (ضعیف)

دیکھئے تاریخ بغداد (۱۳۵/۳۔۱۳۶ ت ۱۱۵۹)

۵: عبداللہ بن محمد بن ابراہیم الحلوانی ابوالقاسم الشاہد ابن الثلاج (کذاب یضع الحدیث)

دیکھئے تاریخ بغداد (۱۳۶/۱۰۔۱۳۸ ت ۵۲۷۷)

۶: محمد بن شجاع الثلجی (کذاب)

دیکھئے الکامل لابن عدی (۲۲۹۳/۶، دوسرا نسخہ ۵۵۱/۷) اور الحدیث (عدد ۶۸ ص ۴۸)

۷: ابوعبداللہ احمد بن محمد بن علی الصیرفی: ابن الابنوسی (ضعیف)

دیکھئے تاریخ بغداد (۶۹/۵ ت ۲۴۴۷)

۸: حامد بن آدم (مجروح)

دیکھئے احوال الرجال للجوزجانی (۳۸۱) اور لسان المیزان (۱۶۳/۲، دوسرا نسخہ ۲۹۸/۲)

۹: خارجہ بن مصعب (متروک) [دیکھئے تقریب التہذیب (۱۶۱۲)]

۱۰: حسن بن زیاد اللؤلؤی (کذاب) [دیکھئے تاریخ یحییٰ بن معین (روایۃ الدوری: ۱۷۶۵) اور میری کتاب: تحقیقی مقالات (۲/۳۴۷)]

اس کتاب میں بہت سے مجہول راویوں کی روایات بھی درج ذیل ہیں، مثلاً عمر بن اسحاق بن ابراہیم (ص ۸۹) مجہول ہے۔ مختصر یہ کہ صرف صیمری کی کتاب کا حوالہ دے دینا کافی نہیں بلکہ سند کی مکمل تحقیق کر کے صحیح ثابت ہو جانے کے بعد ہی حوالہ دینا چاہئے ورنہ ایسے حوالوں کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۱۱) خطیب بغدادی رحمہ اللہ (ثقہ عادل اور انصاف پسند معتدل) کی کتاب تاریخ بغداد انتہائی معتبر کتابوں میں سے ہے، اس میں عام طور پر سندوں کا التزام کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ کے حق میں اور مخالفت میں بہت سی روایات جمع کی گئی ہیں جن میں سے بعض صحیح وحسن ہیں، بعض موضوع و باطل ہیں اور بعض ضعیف و مردود ہیں، لہٰذا اس کتاب کی ہر روایت کی ہر سند کا تحقیقی جائزہ ضروری ہے اور سند کے صحیح یا حسن ثابت ہو جانے کے بعد ہی اس کا حوالہ دینا چاہئے۔ اس کتاب میں بعض اقوال بے سند بھی موجود ہیں مثلاً خطیب بغدادی کا قول کہ امام ابوحنیفہ نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا تھا، بے سند ہے اور بے سند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد ہے۔

۱۲) حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب: الانتقاء میں فضائل ابی حنیفہ کے بارے میں اکثر روایات ابو یعقوب یوسف بن احمد یعنی ابن الدخیل کے مجہول التوثیق ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہیں۔ (ابن الدخیل کے مجہول ہونے کے لئے دیکھئے مقدمہ ابی الوفاء الافغانی التقلیدی لاخبار ابی حنیفہ: کتاب الصیمری ص ج)

۱۳) اہلِ بدعت نے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل و مناقب پر اردو زبان (وغیرہ) میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں لیکن یہ ساری کتابیں بے سند اور صحیح تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ مثلاً:

۱: شبلی نعمانی کی کتاب: سیرت النعمان

۲: سرفراز خان صفدر دیوبندی کی کتاب: مقام ابی حنیفہ رحمہ اللہ

۳: ظفر احمد تھانوی دیوبندی کی عربی کتاب: **أبو حنيفة و أصحابه المحدثون**

(دیکھئے اعلاء السنن ج ۲۰۔۲۱)

۴: طاہر القادری کی کتاب: ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام الائمۃ فی الحدیث''

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ناقابلِ اعتماد کتابیں ہیں جو موضوعات اور مردود روایتوں سے بھری پڑی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کوئی کتاب بھی باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

خوارزمی (توثیق نامعلوم) کی جامع المسانید اور عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی (کذاب) کی کتاب مسند ابی حنیفہ بھی ناقابلِ اعتماد ہیں۔

حارثی کے حالات کے لئے دیکھئے میری کتاب: نور العینین (ص ۴۳)

ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (ثقہ وصدوق) کی کتاب: مسند الامام ابی حنیفہ میں عام روایات ضعیف، مردود اور موضوع ہیں، لہٰذا اس کتاب کی ہر روایت کی تحقیق بھی ضروری ہے۔ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اس مسند کے مصنف امام ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۰ھ) نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں اپنے نزدیک درج ذیل تحقیق لکھی ہے:

" قال بخلق القرآن ، و استتيب من كلامه الردئ غير مرة . كثير الخطأ و الأوهام ." (کتاب الضعفاء لابی نعیم ص ۱۵۴، ت ۲۵۵، مطبوعہ دار الثقافۃ المغرب یعنی مراکش)

یہ عبارت بہت شدید جرح ہے اور راقم الحروف نے حافظ ابونعیم کی عبارتِ مذکورہ کا ترجمہ جان بوجھ کر نہیں کیا، کیونکہ عوام کو اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ ابونعیم کی کتاب ہو یا کسی محدث اور امام کی کتاب ہو، کسی عالم کی کتاب ہو یا کسی جاہل کی کتاب ہو، صحیح العقیدہ کی کتاب ہو یا بدعقیدہ بدعتی گمراہ کی کتاب ہو، ہر کتاب کی ہر روایت کی تحقیق ضروری ہے، سوائے صحیحین کے، ان کی تمام مرفوع مسند متصل روایات یقیناً صحیح ہیں۔ والحمد للہ (۱۳/ جولائی ۲۰۱۰ء)